پروفیسر رفیع اللہ شہاب

کرایہ مکانات کی شرعی حیثیت

Marfat.com

کرایہ مکانات کی شرعی حیثیت

پروفیسر رفیع اللہ شہاب

Marfat.com

سنگِ میل پبلی کیشنز ○ لاہور

۲۹۷،۳۲
ش ۸۱ ک
DATA ENTERED
۹۶۸۷۷

۱۹۸۹ء

نیاز احمد
نے زاھد بشیر پرنٹرز، لاہور
سے چھپوا کر سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور
سے شائع کی۔

تعداد ـــــ ایک ہزار

قیمت ـــــ ۹۰/۰۰ روپے

Marfat.com

DATA ENTERED

میں اپنی اس ناچیز کوشش کو جناب مولانا محمد طاسین صاحب ناظم مجلس علمی کراچی کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں۔ جنہوں نے اس اہم قومی مسئلہ پر علمی تحقیق کے سلسلے میں میری رہنمائی بھی کی اور حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔

Marfat.com

دیباچہ

مکانات کے کرائے کا مسئلہ بظاہر تو سادہ سا ہے لیکن چونکہ اس کا تعلق اسلامی معاشرے میں زمین کی ملکیت سے ہے اس لئے جب تک اس ملکیت کی شرعی حیثیت واضح نہ ہو جائے یہ سادہ سا مسئلہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آ سکتا ۔ موجودہ دور میں ہمارے معاشرے پر سرمایہ داری نظام کی گرفت اتنی سخت مضبوط ہوچکی ہے کہ اسلامی نظام معیشت کی تفصیلات عوام تو کجا علماء کے ذہنوں سے بھی محو ہو چکی ہیں ۔ یہاتنک کہ وہ سود جیسے حرام معاملے کے جواز کا فتوی دینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے ۔ شریعت اسلامی میں کرایہ مکان کو سود کے مشابہ قرار دیا گیا ہے ۔ اور جب خالص سود کو جائز قرار دیا جا چکا ہو تو سود کے مشابہ معاملات کی پرواہ کون کرتا ہے ۔!

اسلام مین زمین کو رزق کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے ۔ اسلئے دوسرے اموال کی نسبت اس کے بارے میں خصوصی احکامات دیئے گئے ، دوسرے اموال کی خرید و فروخت جائز قرار دی گئی لیکن اس سرچشمہ رزق کی خرید و فروخت سے منع کر دیاگیا ۔ زمین کے بارے میں ان شرعی احکامات سے بہت سے لوگ ناواقف ہیں ، یہ تمام تفصیلات مستند حوالوں سے اس کتاب میں جمع کر دی گئی ہیں ۔ پھر ان کی روشنی میں کرایہ مکان کی شرعی حیثیت متعین کی گئی ہے وہ تمام لوگ جو حرام سے بچنا چاہتے ہیں ، یہ شرعی حیثیت ان کی سمجھ میں آجائیگی ۔ اگر ایسے چند لوگوں کی سمجھ میں میری بات آگئی تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت اکارت نہیں گئی ۔

لاہور

یکم جولائی ۱۹۸۸

رفیع اللہ شہاب

Marfat.com

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر
۱ ۔ دیباچہ ۔	۴
۲ ۔ تمہید ۔	۹ — ۱۲
۳ ۔ پہلا باب ۔ حرام و حلال کے بارے میں واضح شرعی احکامات ۔ حرام و حلال واضح ہیں ۔ حرام سے بچنے کے لئے سادہ زندگی محل نما مکانات تعمیر کرنے کی ممانعت ملوکیت اور اسلامی معاشرے میں عیش و عشرت کی ابتداء سونے کے زیورات کی حرمت ۔ مشرکین مکہ کا حاجیوں سے سلوک ۔	۱۵ — ۲۴
۴ ۔ دوسرا باب ۔ کرایہ مکان کی سود سے مشابہت ۔ مکہ مکرمہ کے مکانوں کا کرایہ ۔ کیا ابو حنیفہؒ ضعیف راوی تھے؟ امام ابو حنیفہؒ بطور ماہر معاشیات ۔ مکہ مکرمہ کے مکانات فروخت کرنے کی اجازت بغداد کے مکانات کی شرعی حیثیت	۲۵ — ۳۲
۵ ۔ تیسرا باب : کرایہ زمین (بٹائی) اور کرایہ مکانات ۔ کرایہ مکانات کے لئے کرایہ زمین سے استدلال کرایہ زمین کو سود قرار دینے والی احادیث کرایہ زمین کے بارے میں ائمہ فقہ کا فتوی ۔ قاضی ابو یوسف کا جواز کا فتوی ۔ کرایہ زمین سود ہے ۔۔۔۔۔ کرایہ زمین کے بارے میں جدید علمی تحقیق	۳۱ — ۳۳

٦ ۔ چوتھا باب : سعودی عرب کے علماء کا زمین کو کرائے پر دینے کے بارے ۵۴ — ۳۹
میں فتوی ۔
اسلام میں نظامِ ملکیت ۔
زمین تمام انسانوں کی مشترکہ ملکیت ہے ۔
زمین کرائے پر دینا جائز نہیں ۔
خیبر کے یہودیوں سے معاملہ ۔
۷ ۔ پانچواں باب : حرمتِ سود اور اس کے جواز کے حیلے ۶۱ — ۵۵
سود کی تعریف ۔
سود اور تجارت ۔
سود کی حرمت کا سخت حکم ۔
سود کے جواز کا حیلہ
۸ ۔ چھٹا باب : کرایہ زمین کی شرعی حیثیت کے بارے میں متضاد احادیث کا جائزہ ۔
مزارعت کی لغوی تحقیق ۱۰۵ — ۶۳
مخابرہ کی تشریح
مزارعت کی عرفی حقیقت
مزارعت کی فقہی تعریف
مزارعت کی شرعی حیثیت قرآن حکیم کی روشنی میں
معاملہ بیع کی حقیق و ماہیت
معاملہ ربوا کی حقیقت
احادیث نبویہ اور مزارعت ۔
احادیث مزارعت کا جائزہ
۹ ۔ ساتواں باب : مسئلہ ملکیت زمین پر ایک تنقیدی نظر ۱۲۹ — ۱۰۷
پہلا نکتہ : احادیث کا استقصاء
دوسرا نکتہ : واقعہِ خیبر ۔
تیسرا نکتہ: احسان اور فیاضی کی تعلیم
چوتھا نکتہ : مضاربت اور مزارعت
پانچواں نکتہ : مزارعت اور سود

Marfat.com

چھٹا نکتہ : ائمہ اربعہ اور مزارعت
ساتواں نکتہ : محدود ملکیت
آٹھواں نکتہ : مسئلہ مزارعت اور کم علم لوگ ۔
۱۰ ۔ اٹھواں باب : شریعیت اسلامی اور مسئلہ ملکیت زمین ۱۳۱ — ۱۴۲
عشری اراضی ۔
ضرورت سے زائد اراضی کی فروخت
خراجی اراضی ۔
ذمیوں کے اسلام لانے کے باوجود زمین اسلامی ریاست کی ملکیت رہی
برصغیر ہند و پاکستان کی اراضی کی شرعی حیثیت ۔
اراضی ہند و پاک کے بارے میں شاہ عبدالعزیز کا فتوی ۔
خراجی اراضی پر تعمیر مکانات کا کرایہ
مکانات کی قلت دور کرنے کی ایک تجویز
۱۱ ۔ نواں باب : زمین کی ملکیت اور کرائے کے بارے میں علمائے عرب کا نقطہ نظر ۱۴۳ - ۱۶۲
اراضی کی اقسام
وہ اراضی جن کی انفرادی ملکیت جائز نہیں
جاگیروں کی اراضی ۔
مفتوحہ ممالک کی اراضی ۔
مفتوحہ اراضی کے بارے میں صحابہ کی مجلس شوری ۔
مفتوحہ اراضی کے بارے میں ارشادات نبوی ۔
حضرت عمر کے بعد صحابہ کرام کا عمل
مفتوحہ اراضی کے بارے میں ائمہ مجتہدین کے فتاوی ۔
مفتوحہ اراضی کے بارے میں ائمہ اربعہ کا فتوی ۔
خراجی اراضی کی خرید و فروخت جائز نہیں ۔
خراجی زمین پر قابض لوگ بھی اس کے مالک نہیں ۔
مفتوحہ اراضی پر دشمن کا قبضہ
مفتوحہ اراضی پر خراج
مفتوحہ اراضی پر مکانات
مفتوحہ اراضی اسلامی مملکت کی ملکیت ہیں

Marfat.com

مفتوحہ اراضی کی آمدنی
کرایہ زمین کی شرعی حیثیت
کرایہ زمین کے بارے میں اراشادات نبوی ۔
زمین کی بٹائی کے بارے میں حضور صلعم کا عمل۔
کرایہ زمین کے بارے میں ائمہ مجتہدین کا فتوی ۔
۱۲ ۔ دسواں باب : مکانات کا کرایہ اور خدمات کا اجر — ۱۶۳
اجارہ جائز ہے
اجارہ کی فقہی تعریف
اجارہ کے ذریعے زنا کاری کا جواز
۱۳ ۔ گیارھواں باب : مضاربت اور کرایہ زمین و مکان ۱۶۹ — ۱۷۳
مضاربت کے اصول پر مزارعت کے جواز کا فتوی
مضاربت کی صحیح تعریف
مضاربت اور قیاس ۔
۱۴ ۔ بارھواں باب : اسلام کے معاشی مقاصد ۔
بنیادی ضرورتوں کی ضمانت ۱۷۵ — ۱۸۲
ضرورت سے زائد مال ۔
دولت صرف اغنیاء کے پاس جمع نہ رہے
افراد معاشرہ کے حقوق میں توازن و تناسب ۔
دولت جمع کرنے کی ممانعت ۔
۱۵ ۔ خلاصہِ بحث ۔ ۱۸۲ — ۱۸۵

تمہید

اس وقت ہمارے ملک میں عملاً سرمایہ داری نظام نافذ ہے یہ نظام انگریزوں نے برصغیر ہند و پاکستان کو فتح کرنے کے بعد یہاں رائج کیا تھا ۔ اورابھی تک اسی کی عملداری ہے ۔ ہم دن رات اسلام کے بارے میں یہ دعوئے کرتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے ۔ لیکن ابھی تک کسی اہل علم نے یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ اسلام کا مالیاتی نظام کیا ہے اسلام کے مالیاتی نظام کی تفصیلات سامنے نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک ہمارے معاشرے پر سرمایہ دارانہ نظام کر گرفت پہلے کی طرح مضبوط ہے ۔ اس نظام کی بنیاد سود پر قائم ہے ۔ جو اسلامی تعلیمات کے مطابق سب سے بڑا جرم لہذا حرام ہے ۔ لیکن اس کی تمام صورتوں کو ہمارے معاشرے میں عملاً برتری حاصل ہونے کی وجہ سے جائز سمجھا جانے لگا ہے ۔ یہاتتک کہ علماء حضرات نے بھی اس کے جواز کے فتوٰے جاری کر رکھے ہیں ۔

اسلام کو بطور ایک مکمل ضابطہ حیات سمجھنے اور سمجھانے کے لئے ہمارے ملک میں سب سے پہلی سنجیدہ کوشش ۱۹۵۷ء کے آخر میں کی گئی ۔ جب پنجاب یونیورسٹی نے اس مقصد کے لئے ایک بین الاقوامی مذاکرے کا اہتمام کیا ۔ اس مذاکرے میں دنیا بھر سے جید علماء نے حصہ لیا اور انہوں نے اسلامی نظام حیات کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ۔ ان پہلووں میں اسلام کا مالیاتی نظام بھی تھا ۔ بعد میں اس مذاکرے میں پیش کئے جانے والے مقالات کو ایک کتابی صورت میں شائع کیا گیا اور امید تھی کہ ہمارے علماء اس کی روشنی میں عامۃ الناس کو اسلام کے مکمل ضابطہ حیات ہونے کے بارے میں تفصیلات سے اگاہ کریں گے جو حکومت کو اس نظام کے نافذ کرنے پر مجبور کرینگے ۔ لیکن اس نظام کے نفاذ سے ملک سے سود ختم کرنا پڑتا تھا ۔ جس کے بارے میں مذاکرے میں یہ ثابت کیا گیا تھا ۔ کہ ہمارے معاشرے میں اس کی سب سے بڑی صورت غیر حاضر زمینداری نظام ہے ۔ لیکن نہ تو ہمارے علماء نے اس مذاکرے کی تحقیق کو آگے بڑھایا اور نہ ہی حکومت نے اس کے مطابق معاشرے کو ڈھالنے کی کوشش کی اور حکومت یہ کوشش کر بھی کیسے سکتی تھی کیونکہ اس کی باگ ڈور تو اسی غیر حاضر زمیندار طبقے کے ہاتھ میں تھی کہ جن کا وجود اسلام کے نظام حیات کے نافذ ہونے سے ختم ہوتا تھا ۔

ہمارے ملک کے علماء حضرات کو اسلام کے مالیاتی نظام کا نہ اس وقت کوئی علم تھا اور نہ اب ہے ، یہاں پر اسلامی نظام کی علمبردار کئی جماعتیں موجود ہیں جنہوں نے بزعم خویش اسلامی لٹریچر سے الماریاں بھردی ہیں لیکن انہوں نے اسلام کے مالیاتی نظام کے بارے میں ابھی تک ایک لفظ تک نہیں لکھا ۔ بلکہ سرمایہ داری نظام کو انہوں نے اس طرح قبول کر رکھا ہے کہ عوام کو غلط فہمی ہو گئی کہ شاید یہی اسلام کا مالیاتی نظام ہے ۔ تاہم اس مذاکرے میں علمائے عرب کی جانب سے جو مقالات پیش کئے گئے تھے ۔ وہ علمی تھے ۔ اور ان میں اس بارے میں اسلامی تعلیمات کو بڑی مناسب ترتیب سے پیش کیا گیا تھا ۔ اس کتاب میں ان علماء حضرات کے دو اہم مقالات کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے ایک مقالہ سعودی عرب کے جناب عبدالحمید الخطیب صاحب کا ہے جنہوں نے سعودی عرب کے علماء کی نمائندگی کی تھی ۔ ہمارے ہاں ایک طبقہ سعودی عرب کے علماء کی علمی تحقیق کا اٹھتے بیٹھے ذکر کرتا ہے ۔ لیکن ان حضرات نے سعودی عرب کے علماء کی اس بارے تحقیق پر پردہ ڈال دیا کیونکہ یہ ان کے مفاد کے خلاف تھی ۔ دوسرا مقالہ شیخ محمد المنتصر الکتانی کا ہے ۔ جنہیں مذاکرہ میں شریک تمام عرب علماء اپنے استاد کا درجہ دیتے تھے ۔ اس مذاکرہ میں مولانا مودودی صاحب سمیت پاکستانی علماء کی ایک کثیر تعداد بھی شریک تھی ۔ لیکن نہ تو مودودی صاحب نے اور نہ ہی کسی دوسرے عالم دین نے ان مقالات کے بارے میں کوئی اعتراض کیا ۔ راقم کے نقطہ نظر کے مطابق چونکہ ان مقالات میں اسلام کے مالیاتی نظام کا صحیح عکس پیش کیا گیا تھا اس لئے ان کا ترجمہ اس کتاب میں شامل کیا ہے ۔ چونکہ خود راقم بھی اس بارے میں علمی تحقیق کے ذریعے اسی نتیجے پر پہنچا ہے اور ان علماء حضرات کے مقالات سے راقم کی علمی تحقیق کی تائید ہوتی ہے ۔ اسلئے ان مقالات کو اپنی اس کتاب میں شامل کرنے کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہوں ۔

ہمارے قدامت پسند علماء میں سے ایک صاحب مولانا محمد طاسین صاحب ہیں ان کا تعلق علمائے دیو بند سے ہے اور وہ مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم کراچی والے کے داماد ہیں ۔ اس وقت مجلسِ علمی کراچی کے ناظم ہیں ۔ اس موضوع پر ان کی تحقیق بھی یہی ہے کہ زمین اور مکان کا کرایہ سود کی تعریف میں آتا ہے ۔ انہوں نے اس مسئلہ پر علمی تحقیق کے لئے راقم کی رہنمائی بھی کی اور حوصلہ افزائی بھی ۔ اسلئے میں اس کتاب کا انتساب ان کے نام سے کر رہا ہوں ۔ مولانا بنوری صاحب نے جامع ترمذی کی جو شرح لکھی ہے ۔ اس کا زیادہ تر کام ان کے ہاتھوں سر انجام پایا ہے ویسے بھی ان کی حدیث پر گہری نظر ہے ۔ انہوں نے زمین کی کرایہ والی حادیث کو یکجا کر کے ، ان کا تضاد جس

Marfat.com

طرح دور کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے ۔ اس موضوع پر راقم نے بھی کام کیا تھا ۔ لیکن مولانا صاحب کا کام اور طرز استدلال زیادہ عالمانہ ہے ۔ اسلئے اس باب میں راقم نے اپنے مضمون کی بجائے ان کے ایک علمی مقالے کو پیش کیا ہے ۔

اس موضوع سے راقم کی دلچسپی اس وقت شروع ہوئی جب قیام پاکستان سے پہلے ایک عالم دین مولوی گل شیر خان صاحب نے غیر حاضر زمینداری نظام کے خلاف مہم چلائی تھی ۔ انہوں نے احادیث نبوی کے حوالے سے علاقہ میانوالی کے بہت سے علماء کو قائل کر لیا تھا کہ زمین اسی کی ہوگی جو اس میں ہل چلائیگا ۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک اچھی خاصی تحریک چل نکلی جسے بڑے بڑے زمینداروں نے اپنے لئے خطرہ محسوس کیا ۔ چنانچہ مولانا مذکور کو گولی سے اڑا دیا گیا ۔ جس کے بعد یہ تحریک ٹھنڈی پڑ گئی ۔

۵۲۔۱۹۵۱ء کے دوران راقم جماعت اسلامی میانوالی میں دفتر کے ناظم کے طور میں کام کرتا تھا ۔ تو اسی بڑے زمیندار کہ جن پر مولوی گلشیر صاحب کے قتل کا الزام تھا ، کے ایک نمائندے جو خود بھی ماشاء اللہ عالم دین تھے ، جماعت اسلامی کے دفتر تشریف لائے ۔ انہوں نے ایک بند کمرے میں اس وقت کے ضلع میانوالی کی جماعت اسلامی کے امیر مولانا گلزار احمد مظاہری سے گفتگو کی جس کا ہمیں تو کچھ علم نہ ہو سکا لیکن مجلس احرار کے ایک لیڈر مولوی غلام محمد ہاشمی صاحب دو تین دن کے بعد تشریف لائے ۔ وہ سخت غصے میں تھے اور کہنے لگے کہ تم لوگ شہیدوں کے خون کا سودا کرتے ہو، اس اجمال کی تفصیل یہ تھی کہ مولانا گل شیر خان صاحب جو اسی مسئلہ کے اٹھانے کی پاداش میں شہید کئے جا چکے تھے ، کا تعلق مجلس احرار سے تھا ۔ مولانا غلام محمد ہاشمی کے کہنے کے مطابق اس بڑے زمیندار نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی کتاب مسئلہ ملکیت زمین کو کثیر تعداد میں شائع کرانے کی اجازت لی تھی ، بعد میں تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے نے مجھے بتایا تھا، کہ ساہیوال کے ایک بڑے زمیندار نے بھی اس کتاب کو شائع کرا کے وسیع پیمانے پر تقسیم کرایا تھا ۔ چنانچہ قومی اخبارات میں اس کتاب کے خلاف بہت کچھ لکھا جانے لگا ۔ اس وقت تک راقم نے اسلامی علوم کا باقاعدگی سے مطالعہ نہیں کیا تھا ۔ اس کتاب پر جو بحث چھڑی تو راقم نے اپنے آپ کو اسلامی علوم کو تحصیل کے لئے وقف کر دیا ۔ ان علوم کی تکمیل کے بعد راقم نے سب سے پہلا جو کام کیا وہ مسئلہ ملکیت زمین، کا تنقیدی مطالعہ تھا ۔ میرا یہ مقالہ ۱۹۶۱ء میں ایک ماہنامے میں شائع ہوا تھا ، اور جسے اب اس کتاب کے ساتویں باب میں پیش کیا جا رہا ہے ۔

Marfat.com

مکانات کے کرائے کے جواز کیلئے، زمین کے کرائے کے جواز سے استدلال کیا جاتا ہے ۔ یہ استدلال تو صحیح ہے لکین جو نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ غلط ہے ۔ کیونکہ ہماری تحقیق کے مطابق سرے سے زمین کا کرایہ ہی جائز نہیں ۔ اس کی تفصیلات آئندہ ابواب میں پیش کی جا رہی ہیں ۔ جن سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجائیگی کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ سود کی تعریف میں آتا ہے اسلئے حرام ہے ۔ تا ہم بعض اضطراری حالتوں میں بعض فقھائے اسلام نے اس کے جواز کے فتوے بھی دیئے ہیں ۔ ہمارے ہاں ان جواز کے فتووں کے حوالے سے زمین کے کرائے کو جائز قرار دینے کا عام اصول وضع کر لیا گیا ۔ حالانکہ اضطراری حالت کے جواز کے فتوں کو بطور اصول پیش نہیں کیا جا سکتا ۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس اضطراری جواز کا فتوی حنفی فقہ کے ایک امام قاضی ابو یوسفؒ نے دیا تھا ۔ لیکن اس کے باوجود وہ ایسا معاملہ کرنے والوں کی آمدنی کو حرام قرار دیتے تھے اور آپ نے یہ فتوی دے رکھا تھا کہ اگر ایسا معاملہ کرنے والا کوئی زمیندار دعوت پر بلائے تو اس کی دعوت کو قبول نہ کیا جائے کیونکہ اس کی یہ آمدنی حلال کمائی کے زمرے میں نہیں آتی ۔ (بحوالہ فتاوی عالمگیری عربی جلد پنجم ص ۳۳ اردو ترجمہ شیخ غلام علی ایڈیشن جلد نہم ص ۷۵)

امام ابو یوسفؒ کی اس تصریح کے بعد زمین کے کرائے کو اصولی طور پر جائز قرار دینا کسی طور پر صحیح نہیں ۔

مکانات کے کرائے کے حرام ہونے کے بارے میں اصل دلیل ، وہ حدیث ہے ۔ جس میں رسول اللہ صلعم نے خود مکہ شریف کے مکانوں کے کرائے کو سود قرار دیا تھا ۔ اس حدیث کے راوی خود امام ابوحنیفہؒ ہیں ۔ اور اسی وجہ سے ائمہ حدیث نے اس پر کلام کیا ہے جس کی تفصیلات آگے آئیں گی ۔ لیکن مکہ شریف کے مکانوں کو کرائے کو سود قرار دینے کے باوجود ایسی روایات بھی ملتی ہیں ۔ کہ سلف صالحین میں سے بعض حضرات نے یہ مکانات کرائے پر دیئے اور جب اس حوالے سے ان سے وضاحت کرنے کیلئے کہا گیا تو ان کا بھی یہی جواب تھا کہ اللہ تعالٰی نے اضطراری حالات میں بھی تو مردار کھانے کی اجازت دے رکھی ہے یہ تو اس سے کمتر ہے ۔ (نصب الرایہ از علامہ زیلعی جلد چہارم ص ۲۶۹)

ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی روایات بھی موجود ہیں کہ جن سے کرایہ کا جواز ثابت کیا جا سکتا ہے لیکن اگر انہیں حرمت والی حدیثوں کی روشنی میں دیکھا جائے

Marfat.com

تو یہ جواز ایک عام اصول قرار نہیں پاتا ۔ لیکن ہمارے ہاں ان اضطراری حالات کے جواز کو ایک عام اصول کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور پھر اصرار کیا جاتا ہے کہ یہ سودی معاملات اسلام میں جائز ہیں ۔ یہاتتک تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں تھی ۔ لیکن ایسا کرتے وقت ان احادیث کو کہ جن مین خود رسول اللہ صلعم نے زمین کے کرائے کو سود قرار دیا ہے کو یوں نظر انداز کر دیا جاتا ہے ۔ کہ ان کا ذکر تک نہیں کیا جاتا ۔ ہمارے نزدیک یہ بد دیانتی ہے ۔ ہم نے کوشش کی ہے ۔ کہ اس کتاب میں ان تمام احادیث کو جمع کر دیا جائے جو اس موضوع پر احادیث کی مختلف کتابوں میں ملتی ہیں ۔ چاہے وہ ہمارے مسلک کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں ۔ ہم یہ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اب کسی ایسی حدیث کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی جو ہم نے اس کتاب میں شامل نہ کرلی ہو ۔ ان احادیث کو پیش کرنے کے بعد ہم نے اپنے نقطہ نظر کے حق میں دلائل دیئے ہیں اور سلف صالحین نے اس بارے میں جو اصول متعین فرمائے ہیں ان کو روشنی میں ثابت کیا ہے ۔ کہ زمین کا کرایہ سود کی تعریف میں آتا ہے اور اس کا جو جواز ثابت کیا جاتا ہے وہ اضطراری حالتوں کے لئے ہے اور یہی صورت مکانات کے کرانے کے بارے میں ہے ۔ ان تفصیلات اور ہمارے دلائل کی روشنی میں قارئین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس معاملہ کی شرعی حیثیت کیا ہے ۔

پہلا باب

حلال و حرام کے بارے میں واضح شرعی احکامات

حلال و حرام دو ایسے معاملات ہیں کہ شریعیت اسلامی نے ان کے بارے میں بڑے واضح احکامات دئیے ہیں ۔ چونکہ ہر مسلمان کو حلال اور جائز چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے اور حرام معاملات سے اپنے آپ کو بچانا ہوتا ہے ۔ اسلئے حرام و حلال کے بارے میں اسلامی احکامات کا علم حاصل کرنا ، ہر مسلمان کے لئے فرض قرار دیا گیا ہے ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ان معاملات کے بارے میں صحیح علم نہ رکھنے کی وجہ سے گناہ کا ارتکاب کرلے ۔ اس بارے میں رسول اللہ صلعم نے متعدد مرتبہ یہ ارشاد فرمایا :۔

حرام و حلال واضح ہے :

(ترجمہ) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ۔ اور ان دونوں کے درمیان مشکوک اور چیزیں ہیں ، جن کا علم اکثر لوگوں کو نہیں ۔ پس جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچا تو اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچالی ۔ اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں پڑگیا تو وہ اس چرواہے کی ماتند ہے جو اپنا ریوڑ شاہی چراگاہ کے قریب چرائے اندیشہ ہے کہ اس کا ریوڑ شاہی چراگاہ میں گھس جائے ۔ اے لوگو ہربادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ اس زمین پر اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں ۔ آگاہ رہو کہ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے ۔ جب وہ سنور جائے تو پھر پورا جسم سنور جاتا ہے ۔ اور اگر وہ بگڑ جائے تو پھر پورے جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے ۔ ہاں وہ ٹکڑا دل ہے ۔

صحیح بخاری ترجمہ اردو، کتاب الایمان باب ۳۹ صفحہ ۱۲۱، جلد اول)

اس ارشاد نبوی کی روشنی مین مسلمان حرام اور حلال چیزوں کا علم حاصل کرتے تھے اور اپنے آپ کو حرام چیزوں سے بچانے کی کوشش کرتے تھے ۔ حرام چیزیں تو

Marfat.com

ایک طرف نیک لوگ ان چیزوں سے بھی بچنے کی کوشش کرتے تھے ۔ جن میں حرام کا معمولی سا شائبہ ہوتا تھا ۔ اس بارے میں صحابہ کرام کی احتیاط کا جو عالم تھا؟ اس کی طرف حضرت عمرؓ کا ایک ارشاد ہماری رہنمائی کرتا ہے ۔ سود کے حرام ہونے کے احکامات نازل ہوئے تو کچھ معاملات کے بارے میں رسول اللہ صلعم نے خود واضح فرما دیا کہ یہ سودی ہیں ۔ مثلاً زمین کی بٹائی ، ربٰوالفضل وغیرہ اور باقی کو مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا ۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ نے یہ ہدایات جاری کیں :۔

انّ آخرما نزَل مِنْ اَلْقُرن اَیۃُ الربٰوا و اَنّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم قبض ولَمْ یَفْسِر ھَاْ لنَا فدْعَوا الرِّبٰوا والرَّیْبَۃ (کنز العمال مطبوعہ حیدر آباد کن جلد دوم ۲۳ نمبر ۱۹۵۴)

(ترجمہ) ربوا یعنی سود والی آیت قرآن مجید کی آخری نازل ہونے والی آیات سے ہے اور اس کے بعد رسول اللہ صلعم اس دنیا سے تشریف لے گئے اور آپ نے ہمارے سامنے تمام سودی معاملات کی تفصیل بیان نہ فرمائی اس لئے تم ہر سودی معاملے اور جس میں سود کا معمولی سا شائبہ بھی ہو اسے ترک کردو ۔

Marfat.com

حرام سے بچنے کیلئے سادہ زندگی

رسول اللہ صلعم نے امت مسلمہ کے سامنے سادہ زندگی کا ایک بہترین نمونہ پیش کیا تھا ۔ اسلامی مملکت کے سربراہ ہونے کے باوجود آپ ایک ایسے سادہ سے مکان میں قیام پذیر رہے جو مملکت کے ہر فرد کو میسر تھا خوراک اور لباس بھی سادہ تھا ۔ لباس پھٹ جاتا تو اسے خود پیوند لگا لیتے ۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ کی قمیص پھٹ گئی تو انہوں نے نئی قمیص خریدنے کی خواہش کا اظہار فرمایا ۔ آپ صلعم نے اس قمیص کو دیکھنے کے بعد فرمایا کہ پیوند لگالینے کے بعد اسے ابھی مزید کچھ عرصے کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے ۔ اسلئے آپ پیوند لگالیں ۔ حضرت داتا گنج بخش اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اپنی مشہور کتاب کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کے اس عمل کو سامنے رکھتے ہوئے لباس کو پیوند لگانا ہم صوفیا کی پہچان بن گئی ہے

رسول اللہ جس طرح سادہ زندگی گزارتے تھے ، آپؐ کی خواہش تھی کہ مسلمان بھی ایسی زندگی گزاریں ۔ اس کی حکمت کا اندازہ ہر آدمی لگا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ سادہ زندگی اپنانے سے انسان ہر قسم کے حرام سے آسانی سے بچ سکتا ہے ۔ انسانی ضروریات

کم ہوں تو تھوڑی سے آمدنی میں بھی گزارا ہو جاتا ہے ۔ ضروریات کے بڑھنے سے انسان کا حرام میں پڑنے کا اندیشہ زیادہ ہو جاتا ہے یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ آج جو لوگ عیش و عشرت کی زندگیاں گزار رہے ہیں ان کی آمدنیاں حرام سے پاک نہیں ۔ اسلئے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے والے لوگوں کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ میری امت کے بد ترین افراد وہ ہیں جو نعمتوں کی گود میں پیدا ہوتے ہیں ۔ اور اسی میں پروان چڑھتے ہیں، قسم قسم کے کھانے کھاتے ہیں طرح طرح کے کپڑے پہنتے ہیں قسم قسم کی سواریاں استعمال کرتے ہیں اور اپنی گفتگو میں سختی کرتے ہیں ۔ حضور صلعم کا یہ ارشاد مبارک ان لوگوں پر حرف بحرف صادق آتا ہے جو آج بھی عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہیں اور پھر اپنے بھرم کو قائم رکھنے کیلئے حرام مال کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں ۔

محل نما مکانات تعمیر کی ممانعت

ہر دور میں عیاشی کا ایک بڑا مظاہرہ محل نما مکانات تعمیر کرنے کی صورت میں رہا ہے ۔ اس بارے میں جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ۔ رسول اللہ صلعم نے اسلامی مملکت کا سربراہ ہونے کے باوجود ساری عمر ایک سادہ سے مکان میں گزار دی ۔ تو آپ مومنون سے بھی یہی توقع کرتے تھے ۔ آپ کی ان ہدایات کے خلاف ، اگر کوئی صحابی شاندار عمارت تعمیر کر لیتا ۔ تو آپ اس کا سخت نوٹس لیتے تھے ۔ چنانچہ اس بارے میں آپ کا ایک واقعہ احادیث کی کتابوں میں موجود ہے ۔ جس کا ترجمہ سنن ابو داؤد سے پیش کیا جاتا ہے ۔

"ایک دن رسول اللہ صلعم مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے ۔ تو آپؐ نے ایک بلند گنبد نما مکان دیکھا ۔ آپؐ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ فلاں انصاری کا مکان ہے ۔ اس پر آپ خاموش ہوگئے اور بات کو اپنے دل میں رکھا ۔ تا آنکہ وہ انصاری آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ آپؐ مجلس میں تشریف فرما تھے ، اس انصاری نے سلام کیا تو آپؐ نے اس کے سلام کا جواب دینے کی بجائے منہ پھیر لیا ۔ آپؐ نے کئی بار ایسا کیا یہاتنک کہ وہ انصاری بھانپ گیا کہ آپؐ اس سے خفا ہیں اور قصداً اعراض فرما رہے ہیں ۔ اس نے صحابہ کرام سے شکوہ کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے رسول اللہ صلعم خفا نظر آتے ہیں صحابہ کرام نے اسے بتایا کہ آپؐ باہر نکلے تھے، تو آپؐ نے تیرا قبہ دیکھا تھا ۔ یہ بات سن کر وہ انصاری لوٹا اور اگر اپنے گنبد نما مکان کو زمین

کے برابر کر دیا ، پھر رسول اللہ صلعم ایک دن باہر تشریف لے گئے تو اس مکان کو نہ دیکھا ۔ دریافت فرمایا تو لوگوں نے اس کے مالک کا حال بیان کیا ۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ آگاہ رہو کہ ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال کا باعث ہو گی بجز اس کے جو ناگزیر ہو "

(سنن ابو داؤد جلد چہارم ص ۴۸۷ مطبوعہ مصر)

حکمران اگر سادہ زندگی بسر کریں ، تو عوام بھی ایسی ہی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ، موجودہ دور میں اسکی مثال دوست ملک چین کے عوام کی سادہ زندگی سے پیش کی جا سکتی ہے ، وہ ملک ہمارے ملک کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ ہے بلکہ دنیا کی پانچویں بڑی طاقت تسلیم کیا جاتا ہے ۔ لیکن سارے ملک میں ایک بھی پرائیویٹ کار نہیں ۔ بڑے بڑے اعلی افسر بسوں میں سفر کرنے میں اپنی ہتک محسوس نہیں کرتے ۔ سائیکل وہاں کی مقبول سواری ہے اور عوام و خواص اسے استعمال کرتے ہیں ۔ پچھلے دنوں چین کے دارالخلافہ بیجنگ کے جو اعداد وشمار شائع ہوئے تھے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اسی لاکھ کی آبادی کے شہر میں آبادی سے بھی زیادہ سائیکل ہیں ہمارا ملک چین کے مقابلے میں کم ترقی یافتہ ہے ۔ لیکن یہاں کاروں کی تعداد اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ ملک عزیز کے کسی بڑے شہر میں کسی سڑک کو پار کرنا خطرے سے خالی نہیں رہا اور ایسی کوشش کرنے والے درجنوں لوگ روزانہ لقمہ اجل بن جاتے ہیں ۔ تازہ ترین اعداد شمار کے مطابق ، لاہور شہر جس کی آبادی کا اندازہ چالیس لاکھ لگایا جاتا ہے ، میں پانچ لاکھ سے زیادہ موٹر گاڑیاں رجسٹرڈ ہو چکی ہیں ۔ ان گاڑیوں کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ حلال کی آمدنی سے انہیں خریدنا اور چالو رکھنا نا ممکن ہے اس لئے ان گاڑیوں کے مالکوں کی اکثریت کو ناجائز ذرائع آمدنی اختیار کرنے پڑتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں رشوت ستانی ، بلیک مارکیٹ اور سمگلنگ معمول کے کاروبار کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں ۔

ملوکیت اور اسلامی معاشرے میں عیش و عشرت کی ابتداء

اسلام نے جو سادہ معاشرہ قائم کیا تھا سب سے پہلے ملوکیت نے اس پر ضرب لگائی، عیش و عشرت ملوکیت کے لوازمات میں سے ہیں اور جب عوام حکمرانوں کو عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا دیکھتے ہیں تو وہ بھی ان کی تقلید کرتے ہیں ۔ لیکن تکلیف دہ

Marfat.com

بات یہ ہے کہ عیش و عشرت کے لوازمات حلال کی کمائی سے پورے نہیں ہو سکتے ۔ چنانچہ ایسے لوگ حرام کی کمائی کی طرف راغب ہو جاتے ہیں ۔ جب ملوکیت اسلامی معاشرے پر چھائی تھی تو اس وقت معاشرے میں اسلامی اقدار ابھی باقی تھیں لوگوں کو حرام و حلال کا علم تھا ، اسلئے لوگ حرام کمائی کو ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کرتے تھے ۔ اس کے لئے رفتہ رفتہ ماحول بنایا گیا اور اسلامی تعلیمات کی ایسی تعبیر کی گئی کہ بعض حرام معاملات کا جواز مہیا کیا جا سکے ۔ اسکی وضاحت ایک عملی مثال سے ہوگی ۔

ابتدائی اسلامی معاشرہ زرعی تھا ۔ لیکن اسلام نے زراعت کی کمائی کا حقدار صرف اس فرد کو قرار دیا ۔ جو عملاً زمین پر کام کر کے فصل اگاتا تھا ۔ ابتدائی اسلامی معاشرے میں غیر حاضر زمینداری کا کوئی تصور نہیں تھا ۔ سود کے حرام ہونے کا احکامات نازل ہوئے تو رسول اللہ صلعم نے بہت سے معاملات کی چھان پھٹک کی اور جن معاملات کو آپؐ نے خالص سود قرار دیا، ان میں سے ایک یہ غیر حاضر زمینداروں کی جانب سے زمین کو بٹائی کے معاملے پر کاشت کرانا تھا چونکہ اس معاملے میں محنت کوئی دوسرا شخص کرتا تھا اور اس کا ثمرہ اس شخص کے پاس جاتا جو کوئی محنت نہ کرتا تھا تو اسلئے ۔ رسول اللہ صلعم نے اسے سود قرار دیکر حرام قرار دے دیا ۔ اس بارے میں ارشادات نبوی کی تفصیلات تو اگلے ابواب میں بیان ہوں گی ، یہاں صرف یہ سمجھ لیجئے کہ حضور کے اس ارشاد کو سامنے رکھتے ہوئے اہل سنت کے تمام فقہی مذاہب یعنی حنفی مالکی شافعی اور جنبلی کے بانی ائمہ نے اس معاملے کے حرام ہونے کا فتوی جاری کیا ۔ ہر معاملے میں بعض مجبوری کی صورتیں بھی ہوتی ہیں ۔ اس معاملے میں بعض مجبوری کی صورتوں میں امام ابو حنیفہ کے ایک شاگرد قاضی ابویوسف نے جواز کا فتوی دیا تھا ۔ لیکن اس فتوی دینے کے باوجود وہ اس مد سے حاصل ہونے والی آمدنی کو حرام قرار دیتے تھے ۔ ان دونوں معاملات کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں لکین حرام خوروں کو تکون کے سہارے کی ضرورت تھی ۔ اسلئے انہوں نے اضطراری صورتوں میں بٹائی کے جواز کے معاملے کو تو عام اسلامی قانون کے طور پر اپنالیا ۔ لیکن امام صاحب نے اس معاملے سے حاصل ہونے والی آمدنی کو جو حرام قرار دیا تھا ۔ اس سے آنکھیں بند کرلی تھین ار دکھ کی بات ہے ۔ کہ یہ صورت حالات ابھی تک باقی ہے ۔ خود ہمارے علماء امام صاحب کے اضطراری صورتوں میں بٹائی والے فتوے کا سہارا تو لے لیتے ہیں لیکن انہوں نے اس ذریعے سے حاصل ہونے والی آمدنی کو جو حرام قرار دیا تھا ، اس کا انہوں

---

۱ ۔ روز نامہ نوائے وقت راولپنڈی ۲۳ اگست ۱۹۷۸ء

Marfat.com

نے کبھی نام لیا ، ان سب معاملات کی پوری پوری تفصیلات آئندہ متعلقہ ابواب میں پیش کی جائیگی یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جب ملوکیت کی وجہ سے اسلامی معاشرہ عیش و عشرت میں ڈوبنے لگا تو کس طرح حرام معاملات کو جائز قرار دیا گیا ۔

سونے کے زیورات کی حرمت

عیاشی کی ایک شق محلات کی تعمیر تھی ، جس کے بارے میں رسول اللہ صلعم کے عمل اور سخت رویہ کی تفصیلات پیش کی جا چکی ہیں ۔ عیاشی کا ایک دوسرا ذریعہ سونے کے زیورات کا استعمال تھا اور قارئین جانتے ہیں کہ اس جدید دور میں بھی سونے کے یہ زیورات ، عیاشی کا ایک مظہر ہیں زمانہ قدیم میں بادشاہ اور درباری لوگ اپنے آپکو زیورات سے سجاتے تھے ۔ لکین حلال کی کمائی سے ان زیورات کا مہیا کرنا اس دور میں بھی ناممکن تھا اور آج بھی ناممکن ہے ۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم نے مسلمان مردوں اور عورتوں دونوں کیلئے ان زیورات کا استعمال حرام قرار دے دیا ۔ ان کے بدلے میں مسلمان عورتوں کو چاندی کے زیورات استعمال کرنے کی تاکید فرمائی کہ ہر خاندان کے لئے ایسے زیورات مہیا کرنے ممکن تھے ۔ اس بارے میں متعدد احادیث کتب احادیث میں موجود ہیں ۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں :

سنن ابو داؤد میں مشہور صحابی حضرت حذیفہ کی ایک بہن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے عورتوں کے گروہ تم چاندی کے زیور کیوں نہیں پہنتیں ۔ کیونکہ تم میں سے جو عورت سونے کے زیور پہنے گی ، قیامت کے دن اسے، اسی زیور سے عذاب دیا جائیگا ۔

(سنن ابو داؤد جلد دوم صفحہ۔ ۴۱۰)

ایک دوسری روایت میں حضرت اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جس عورت نے بھی اپنے گلے میں سونے کا گلو بند پہنا ۔ تو قیامت کے دن اسے ویسا ہی آگ کا گلوبند پہنایا جائیگا ۔ اور جو عورت بھی اپنے کانوں میں سونے کی بالیاں پہنے گی ، تو قیامت کے دن اسی کی ماتند ، اس کے کانون میں آگ ڈالی جائیگی ۔

(ایضاً)

ایک تیسری حدیث جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے میں مردوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ عورتون کو سونے کے زیورات مہیا نہ کریں ، وگرنہ قیامت کے دن، انہیں

Marfat.com

بھی ان زیورات کے ذریعے عذاب دیا جائیگا ، آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جو اپنی محبوبہ کو آگ کی انگھوٹی پہنانا چاہتا ہے تو پھر وہ اسے بے شک سونے کی انگوٹھی پہنائے اور تم میں سے جو پسند کرتا ہے کہ اپنی محبوبہ کے گلے میں آگ کا طوق پہنائے تو پھر وہ اسے سونے کا گلوبند پہنا سکتا ہے ۔ اور تم میں سے جو اپنی محبوبہ کو آگ کے کنگن پہنانا چاہتا ہے تو پھر وہ اسے سونے کے کنگن پہنا سکتا ہے ۔ تم پر لازم ہے کہ چاندی کے زیور استعمال میں لاؤ تم ان سے ہر طرح کی زینت حاصل کر سکتے ہو ۔ (ایضا)

اس مضمون کی درجنوں احادیث ہیں لیکن ہمارے مدعا کیلئے یہ تین بھی کافی ہیں ۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی نے سونے کے زیورات مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے حرام قرار دیئے تھے اور مسلمان عورتوں کو صرف چاندی کے زیور استعمال کرنے کی اجازت دی ۔ لکین جب ملوکیت کے اثر سے اسلامی معاشرہ عیش و عشرت کا دلدادہ ہونے لگا تو عورتوں کو خوبصورت بنانے کیلئے ان کے لے سونے کے زیورات کا استعمال جائز قرار دے دیا گیا اور اس بارے میں ایک حدیث وضع کی گئی جس کے ضعیف ہونے پر تمام ائمہ حدیث کا اتفاق ہے ۔ اس حدیث میں حضرت ابو موسی اشعری کو رسول اللہ صلعم سے یہ روایت کرتے دکھایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ میری امت کے مردوں کیلئے تو سونے اور ریشم کا استعمال حرام ہے لیکن عورتوں کے لئے جائز تھا ۔ یہ حدیث ، حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے لیکن ائمہ حدیث نے اسے صحیح تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا ۔ حدیث کے مشہور امام ابو حاتم نے اس بنا پر اسے ضعیف قرار دیا کہ اس کے ایک راوی سعید بن ہند کی، حضرت ابو موسی اشعری سے کبھی ملاقات تک نہ ہوئی تھی ۔ کیونکہ وہ ان کی وفات کے وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا ۔ حدیث کے ایک دوسرے امام دار قطنی کی تحقیق یہ ہے کہ سعید بن ابی ہند نے حضرت ابو موسی اشعری سے کوی حدیث ہی نہیں سنی تھی ۔ حدیث کے ایک تیسرے امام ابن حبّان نے بھی اسی بناپر اس حدیث کو ضعیف قرار دیا تھا ۔

(نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۸۶ مطبوعہ مصر)

Marfat.com

مشرکین مکہ کا حاجیوں سے سلوک

ان عیاشیوں کو پورا کرنے کیلئے جس طرح زمین کی بٹائی کے جواز کی گنجائش پیدا کی گئی تھی ۔ اسی طرح مکانات کے کرائے کو بھی جائز قرار دینے کی کوشش کی گئی ۔ صدر اسلام میں مکہ مکرمہ ہی ایک ایسا شہر تھا جہاں مسافر حج اور تجارت کے لئے سارا سال آتے جاتے رہتے تھے ۔ وہ زمانہ ہوائی جہازوں کا نہیں تھا کہ ایک دو دن میں تجارتی امور نپٹانے اور عمرہ کرنے کے بعد لوگ اپنے گھروں میں واپس پہنچ جاتے ۔ ان دنوں لوگ مہینوں کی مسافت طے کرکے پہنچتے تھے اورارام کیلئے کچھ دن کے لئے قیام کرتے تھے ۔ ان لوگوں سے چونکہ اہل مکہ کا کاروبار وابستہ تھا اسلئے انہوں نے ان کے لئے رہائش کی مفت سہولتیں مہیا کر رکھی تھیں ۔ اس بارے میں قرآن مجید میں ان مشرکین مکہ سے خطاب کیا گیا ہے جو بار بار اپنی اس نیکی کا ذکر کرتے تھے ۔ قرآن مجید میں یہ تسلیم کیا گیا کہ یہ ضرور نیکی کا کام ہے ۔ لیکن یہ ایمان کے قائمقام نہیں ہو سکتا ۔ چنانچہ اس بارے میں ارشاد ہوا :۔

اَجَعَلْتُم سِقَايَةَ الحَاجِ وعِمَارَةَ المَسْجِدِ الحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰه واليَومِ الآخِرِ ۔ (سورۃ البرأۃ ۔ ۱۹)

(ترجمہ) کیا تم نے حاجیوں کے قیام و طعام اور خانہ کعبہ کو آباد رکھنے کو ایمان باللہ اور آخرت کے ایمان کے برابر سمجھ لیا ہے !

اس آیت میں لفظ سقایۃ استعمال کیا گیا ہے ، اس کے لفظی معنی تو پانی پلانے کے ہیں لیکن اصطلاحاً یہ اہل مکہ کا ایک شعبہ تھا جو حجاج کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے قائم کیا گیا تھا ۔ بعد میں جب مکہ مکرمہ میں اسلامی حکومت قائم کی گئی تو رسول اللہ صلعم کے نوٹس میں یہ بات لائی گئی کہ کچھ لوگ مکہ مکرمہ کے مکانوں کا کرایہ وصول کرتے ہیں، آپؐ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرما دیا اور کہا کہ جو ایسا کرے گا وہ ایک طرح سے سود کھائیگا ۔ اس حدیث کے راوی حنفی فقہ کے بانی امام ابو حنیفہؒ ہیں ۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ احادیث کے بارے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے ۔ اسلئے ان کی روایت کردہ احادیث صحیح ترین احادث شمار ہوتی ہیں ۔ ان کی روایت کردہ احادیث کی عقل اور جدید علمی تحقیق سے بھی تصدیق ہوتی ہے ۔ مثلاً مذکورہ بالا حدیث کو لیجئے ۔ زمانہ جدید کے مشہور ماہر معاشیات لارڈ کینز کی تحقیق یہ ہے

۴۳۸۲۲

Marfat.com

کہ پرانے زمانے میں کوئی بینک وغیرہ نہیں تھے اور سود کی سب سے بڑی شکل یہی زمین کا کرایہ تھا ۔ (جنرل تھیوری صفحات ۲۴۲،۲۴۳) عقلی طور پر دیکھا جائے تو بھی یہ معاملہ سود ہی بنتا ہے ۔ مثلاً اگر کسی بھائی کے پاس ایک لاکھ کی رقم پس انداز ہو جائے ۔ وہ اسے بینک میں جمع کرائے تو اسے چھے سات فیصدی شرح سے سالانہ چھے سات ہزار سود ملتا ہے لیکن اس سود کی وجہ سے دن بدن اشیاء کی قیمتوں میں جو اضافہ ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس کی بینک میں جمع کردہ ایک لاکھ روپے کی قیمت خرید بھی دن بدن کم ہوتی جاتی ہے ۔ لیکن بینک سے ملنے والا یہ سود تمام علماء کے نزدیک حرام ہے اور اگر اسی رقم سے وہی صاحب مکان خرید لے اور سود سے بھی زیادہ سالانہ کرایہ وصول کرلے تو ہمارے علماء ، حیرت ہے ، اس معاملے کو جائز قرار دیتے ہیں ۔ حالانکہ اس صورت میں سرمایہ دار کو کرایہ کی صورت میں سود ہی نہیں مل رہا ۔ بلکہ اس نے جو رقم مکان کے خریدنے پر خرچ کی ہے دن بدن اس کی قدر میں بھی اضافہ ہو رہا ہے اور ہمارے ہاں یہ عام معمول کی بات ہے کہ اٹھ دس سال کے عرصے میں ایسے مکانات کی قیمت دوگنا ہو جاتی ہے ۔ تو اس صورت میں اس شخص نے سود سے بھی زیادہ بلکہ دوگنا نفع حاصل کیا ۔ لیکن ہمارے علماء حضرات اس دوگنا منافع کو تو جائز اور اس سے نصف منافع کو جو بینک سے ملتا ہے ، حرام قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ اس سے بھی زیادہ حرام ہونا چاہئے اور یہی کچھ حضرات امام ابو حنیفہؒ کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے لیکن قارئین حیران ہونگے کہ اس عقل و نقل پہ پوری اترنے والی حدیث کو بعض محدثین اسلئے ضعیف قرار دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ معتبر راوی نہیں تھے ۔ اہلحدیث حضرات امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں یہ کچھ فرمائیں تو زیادہ قابل ملامت نہیں کیونکہ وہ امام صاحب کے مخالف رہے ہیں لیکن حیرت ان علماء پر ہوتی ہے جو حنفی فقہ کے پیرو کار ہیں جس کے بانی امام ابو حنیفہؒ ہیں ۔ وہ بھی ان کی اس روایت کردہ حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں ۔

زمانہ قدیم میں ملوکیت نے لوگوں کو عیش و عشرت کا دلدادہ بنا کر انہیں حرام معاملات کا جواز تلاش کرنے پر مجبور کیا اور موجودہ دور میں سرمایہ داری نے انہیں ایسا کرنے کی ترغیب دی ہے اس وقت تمام اسلامی ملکوں میں یہی سرمایہ داری نظام عملاً نافذ ہے اس کی بنیاد سود پر ہے ۔ جو اسلامی تعلیمات کی مطابق سب سے بڑا جرم ہے جس کی سزا قتل ہے ۔ لیکن سرمایہ داری نظام کے غلبے کی وجہ سے ہمارے علماء سود کی واضح صورتوں کو جائز ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں ۔ جن میں سے

Marfat.com

ایک مکانات کا کرایہ ہے ۔ حالانکہ ان مومنوں کو یہ کہا گیا تھا کہ سود کے واضح معاملات تو کجا، جن معاملات میں سود کا معمولی سا شائبہ بھی ہو اسے بھی ترک کر دیا جائے ۔ لیکن آج بڑے دھڑلے سے اس کی واضح حرام صورتوں کو جائز قرار دینے کی کوشش کی جا رہی ہیں ۔ جن کی تفصیلات آئندہ صفحات میں پیش کی جائیگی ۔

Marfat.com

دوسرا باب

کرایہ مکان کی سود سے مشابہت

دور رسالت میں مکہ مکرمہ ہی ایک ایسا شہر تھا ، جہاں مکانات کرائے پر دیئے جاتے تھے ۔ ایک تو اس لئے کہ تمام عرب سے لوگ ہر سال یہاں حج کرنے کے لئے بھی آتے تھے اور حج کے علاوہ دوسرے دنوں میں وہ عمرہ کیلئے آتے جاتے رہتے تھے ۔ دوسرے یہ تجارتی مرکز بھی تھا جہاں بین الاقوامی تجارتی قافلے قیام کیا کرتے تھے ۔ پچھلے باب میں بتایا جا چکا ہے ۔ کہ مشرکین عرب بھی ان حجاج کرام سے کوئی کرایہ نہیں لیتے تھے بلکہ جیسا کہ سورۃ التوبہ آیت ۱۹ سے معلوم ہوتا ہے وہ ان کے قیام و طعام کا مفت انتظام کرتے تھے ۔ جب مشرکین عرب ایسی نیکی کر سکتے تھے تو مسلمانوں سے اس قسم کی نیکی کی توقع بے جا نہ تھی ۔

مکہ مکرّمہ کے مکانوں کا کرایہ

جب مکہ مکرمہ میں اسلامی حکومت قائم ہوئی تو مکہ مکرمہ کے مکانوں کی کرائے کا مسئلہ رسول اللہ صلعم کے سامنے پیش ہوا ۔ مشرکین مکہ حجاج سے تو کرایہ وصول نہیں کرتے تھے لیکن تاجروں کو یہ ادا کرنا ہوتا تھا ۔ اس وقت تک سود کے احکامات نازل ہو چکے تھے ۔ مفسرین کا اتفاق ہے کہ سودی احکامات ان چند احکامات میں سے ہیں جو سب سے آخر میں نازل ہوئے ۔ آپؐ نے سود کی حرمت کے حکم کی روشنی میں کرایہ مکانات کا جائزہ لیا تو یہ آپؐ کو سود کے مشابہ معلوم ہوا ۔ چنانچہ اس بارے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا :۔

مَنْ اَکَلَ کِرَاءَ اَرْضَ مَکَّۃَ فَکَاَنَّمَا اَکَلَ الرِّبٰوا ۔ (جس نے مکہ مکرمہ کی زمین کا کرایہ کھایا اس نے گویا سود کھایا) (ہدایہ جلد چہارم ص ۴۵۷) اس حدیث کے راوی حنفی فقہ کے بانی حضرت امام ابو حنیفہؒ خود ہیں ۔ لیکن قارئین کیلئے یہ امر باعث حیرت ہو گا کہ بعض ائمہ حدیث کے نزدیک امام ابوحنیفہ ضعیف راوی تھے ۔ اس لئے ان کے قول کے مطابق ان کی روایت کردہ حدیث کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا ۔

Marfat.com

حنفی فقہ کے ایک مقتدر محدث نے ہدایہ میں بیان کردہ تمام احادیث کا اصولِ حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا ہے ۔ ان کا نام امام زیلعی ہے اور اس موضوع پر انہوں نے جو کتاب تالیف فرمائی ہے اس کا نام نصب الرایہ ہے ۔ وہ ہدایہ میں امام ابوحنیفہ سے روایت کردہ اس حدیث کے بارے تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

قال علیہ السلام مَنْ اَجَرَ اَرْض مَکۃَ فکانما اکل الرِبٰوا ۔ قُلْتُ غریبٌ لھذا اللفظ ۔ روی محمد بن الحسن فی کتاب الاثار اخبرنا ابوحنیفہ عن عبید اللہ بن ابی زیاد عن ابی نجیح عن عبد اللہ بن عمر عن النبی قَالَ مَنْ اَکَلَ مِنْ اَجور مَکّۃ فَانّما یاکل ناراً

(نصب الرایہ جلد چہارم ص ۲۶۶)

(ترجمہ) حدیث نبوی جس میں رسول اللہ صلعم نے مکاناتِ مکہ کے کرائے کو سود سے مشابہت دی ہے ۔ اس کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ غریب ہے (یعنی اس کی ایک ہی روایت ہے) اور محمد بن حسن نے کتاب الاثار میں امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عبید اللہ بن ابی زیاد انہوں نے ابو نجیح اور انہوں نے عبید اللہ بن عمرو سے اور انہوں نے رسول اللہ صلعم سے روایت کیا ہے کہ جس نے مکہ شریف کے مکانوں کا کرایہ کھایا تو ایسے ہے جیسے اس نے دوزخ کی آگ کھائی ۔

پھراسکی تائید میں ایک دوسری روایت بھی بیان کی ہے ۔

عن عبید اللہ عمرو قال الذی یاکُل کراء بیوت مکۃ اِنّما یَاکُل فی بَطنِہ ناراً ۔ (ایضاً صفحہ ۲۶۵)

(ترجمہ) حضرت عبیداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ جو بھی مکہ شریف کے مکانوں کا کرایہ کھاتا ہے ۔ وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ ڈالتا ہے ۔

کیا امام ابو حنیفہ ضعیف راوی تھے ؟

اس موضوع پر تمام احادیث کو امام الحاکم نے صحیح تسلیم کیا ہے ۔ ان کے نزدیک اس کی تمام اسناد صحیح ہیں ۔ اسناد سے مراد حدیث کے مختلف راوی ہوتے ہیں ۔ تاہم امام بخاری نے اس حدیث کی ایک راوی اسماعیل بن مہاجر کو ثقہ راوی تسلیم نہیں کیا ۔ بعض دوسرے ائمہ نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ ان کے نزدیک اس حدیث کے ضعیف

Marfat.com

ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس کی روایت کی ہے ۔ جو ان کے نزدیک ایک کمزور راوی ہے ۔ امام ابو حنیفہ حنفی فقہ کے بانی تھے ۔ اور اس وقت بھی امت مسلمہ کی اکثریت انہی کی فقہ کی پیروی کرتی ہے ۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ آپ جیسی عظیم ہستی ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف قرار پاتی ہے ۔ امام بخاری نے تو ان کی شان میں اتنے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں کہ انہیں نقل کرتے ہوئے بھی قلم کانپتا ہے ۔ وہ اپنی مشہور کتاب تاریخ الصغیر جس میں راویوں کے حالات درج ہیں، ان کے بارے میں لکھتے ہیں ۔

حدثنا الفزاری قال کنت عند سفیان فنعی النعمان فقال الحمد للہ کان ینقض الاسلام عروۃ عروۃ ما ولد فی الاسلام اشأم منہ

(ترجمہ) ہمیں فزاری نے بیان کیا ہے کہ وہ سفیان کے پاس بیٹھے تھے تو امام ابو حنیفہ کی وفات کی خبر پہنچی تو انہوں نے اللہ تعالی کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ وہ اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا تھا ان سے زیادہ ۔۔۔۔۔ اسلام میں کوئی پیدا نہیں ہوا یہ تو تھی امام بخاری کی امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں رائے ۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ کہ اہل علم نے ان کی اس رائے کو تسلیم نہیں کیا ۔ وگرنہ آج ان کا نام لینے والا بھی کوئی نہ ہوتا ۔ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ حدیث کی صحت کے بارے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتے تھے ۔ اس لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ انہوں نے کسی ضعیف راوی سے روایت کی ہو اپنے اس اصول کی بنا پر انہوں نے بہت سی احادیث کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ۔ جس کے نتیجے میں ان کے اور اہل حدیث کے درمیان اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی گئی ۔ اہل حدیث حضرات طنزاً انہیں اہل الرائے کہتے تھے اور جب کسی حدیث کو انہوں نے ضعیف قرار دینا ہوتا تو اس کے بارے میں یہ تصریح کر دیتے کہ یہ حدیث اہل الرائے نے روایت کی ہے اشارہ امام ابو حنیفہ کی طرف ہوتا ۔ شریعت اسلامی کے بعض مسائل کے بارے میں ان ائمہ اہل حدیث اور اہل الرائے کے درمیان اختلاف ضرور تھا اور اختلاف کوئی معیوب بات نہیں لیکن امام بخاری نے مسلمانوں کے سب سے بڑے امام کے بارے میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ مناسب نہیں بلکہ ایک امام حدیث کی شان سے فروتر ہیں ۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ نے جو مکہ مکرمہ کے مکانوں کے کرائے کے سود ہونے کے بارے میں جو روایت بیان کی ہے وہ زمانہ جدید کے علم معاشیات کے علمی معیار تحقیق پر بھی پوری اترتی ہے ۔ زمانہ جدید کے ایک بہت بڑے ماہر معاشیات

Marfat.com

نے بھی یہی تحقیق پیش کی ہے کہ زمانہ قدیم میں سود کی سب سے بڑی قسم یہی کرایہ زمین تھی ۔ (جنرل تھیوری صفحات ۲۴۲ ، ۲۴۳)

امام ابو حنیفہ بطور ماہر معاشیات

خیال رہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ ایک ذہین فقیہہ ہی نہ تھے بلکہ اپنے وقت کے ایک بہت بڑے کامیاب تاجر بھی تھے ۔ بعض روایات کے مطابق آپ کا کاروبار کروڑوں روپے سے متجاوز تھا ۔ اسلئے کاروباری معاملات کی جو سوجھ بوجھ انہیں حاصل تھی وہ دوسرے ائمہ کرام کے حصے میں نہیں آئی تھی ان کا مکانات کے کرائے کو سود قرار دینا کوئی غلط نہیں تھا ۔ آج اگر سود کی جو تعریف بھی کی جائے تو یہ معاملہ سود کی تعریف کے ذیل میں آتا ہے ۔ ہم یہ تعریف اپنی جانب سے نقل کرنے کی بجائے اسے مولانا مودودی صاحب کی زبانی پیش کرتے ہیں جو زمین کو کرائے کے جائز سمجھتے تھے ۔ آپ تجارت اور سود کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ۔

"تجارت اور صنعت و حرفت اورزراعت میں انسان محنت اور ذہانت صرف کرتا ہے ۔ مگر سودی کاروبار میں وہ محض اپنا ضرورت سے زیادہ مال دے کر بلاکسی محنت مشقت اور صرف کمال کے دوسروں کی کمائی میں شریک غالب بن جاتا ہے ۔ اس کی حیثیت اصطلاحی شریک کی نہیں ہوتی ، جو نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے اور نفع میں جس کی شرکت نفع کے تناسب سے ہوتی ہے ۔ بلکہ وہ ایسا شریک ہوتا ہے جو بلحاظ نفع و نقصان اور بلالحاظ تناسب نفع اپنے مقرر اور مشروط منافع کا دعویدار ہوتا ہے"

(سود حصہ اوّل طبع لاہور صفحہ ۳۷)

انصاف کیجئے کیا سود کی یہ تعریف کرایہ زمین پر صادق نہیں آتی ۔ کیا وہ یہی نہیں فرما رہے کہ ایک آدمی جب اپنی زائد رقم دے کر دوسرے کی کمائی میں شریک ہو جاتا ہے تو اسے سود کہتے ہیں ۔ کیا مکان اور زمین اس شخص کا ضرورت سے زیادہ مال نہیں ہوتا ۔ جسے دوسروں کو دیکر بلاکسی محنت و مشقت اورصرف کمال کے ان سے اپنے مقرر اورمشروط منافع کا دعویدار ہوتا ہے ۔ ایک عام فہم آدمی بھی اس سودی معاملے کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے مثلاً کسی کے پاس اس کی ضرورت سے زائد ایک لاکھ روپیہ ہے یہ روپیہ نقدی کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے اور مال یعنی مکان و زمین کی صورت میں عجیب

Marfat.com

بات ہے کہ جب نقدی کی صورت میں اس کا نفع حاصل کیا جائے تو وہ سود اور مکان و زمین کی صورت میں وہ منافع سود کی تعریف سے خارج ہو جاتا ہے ۔ حالانکہ نقدی کی صورت میں اس کے روپے کی قیمت افراط زر کی وجہ سے دن بدن کم ہوتی جاتی ہے اور اس کے مقابلے میں انہی وجوہ کی بنا پر مکان و زمین کی قیمت میں ہر سال اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ اسی ایک لاکھ روپے کو اگر بینک میں جمع کرایا جائے تو جہاں ایک سال کے بعد اس کا چھے سات ہزار روپے کا سود ملیگا وہیں اس ایک لاکھ روپے کی خریدنے کی طاقت میں کم از کم دس فیصدی کم ہو جائیگی ۔ کیونکہ تقریباً اس طرح سے ہمارے ہاں مختلف چیزوں کے نرخ ہر سال بڑھ جاتے ہیں ۔ اب جو چیز مال کی صورت میں ہو گی اس کے نرخ دس فیصدی خود بخود بڑھ جائیگے ۔ دوسرے الفاظ میں اگر ایک لاکھ کا سرمایہ نقدی کی صورت میں ہو گا تو اس کی قیمت خرید نوے ہزار روپے کے برابر رہ جائیگی جبکہ مکان و زمین کی صورت میں اس کی قیمت ایک لاکھ اور دس ہزار روپے ہوچکی ہوگی ۔ اس صورت میں کرایہ کی صورت میں نفع کے علاوہ اسے مزید بیس ہزار روپے کا فائدہ ہو گا ۔ اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ مکانات کا کرایہ بینکوں کے سود کے نہ صرف مشابہ ہے بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ ہے ۔ یعنی بینک کے سود کی صورت میں صرف سات ہزار روپے ملتے ہیں جبکہ مکان اور زمین کے کرائے کی صورت میں تقریباً تیس ہزار کا فائدہ ہوتا ہے ۔

ان تفصیلات کی روشنی میں مکہ مکرمہ کے مکانات کے کرائے کے سود ہونے کے بارے مین امام ابو حنیفہ کی روایت کردہ حدیث کو دیکھا جائے تو وہ عقلاً اور نقلاً صحیح قرار پاتی ہے ۔ لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ اس حدیث کا حوالہ دیتے وقت مخالف علماء نے کبھی نہیں بتایا کہ اس کے راوی حنفی فقہ کے بانی امام ابو حنیفہؒ ہیں ۔ حالانکہ حدیث کے بارے میں ان کی احتیاط کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی بھی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے امام صاحب کا بطور راوی ہونا کافی ہے ۔ اور جو اہل علم ان کا نام جان بوجھ کر نہیں لیتے تاکہ وہ ایک حرام معاملے کو جائز ثابت کر سکیں تو یہ طرز عمل علمی دیانتداری کے اصولوں کے خلاف ہے ۔

ہمارے اہلحدیث علماء جو اس حدیث کا انکار کرتے ہیں ان کا حدیث کے بارے میں عجیب و غریب مسلک ہے ۔ ان کے اس مسلک کی وضاحت اس کتاب میں پیش کردہ مختلف احادیث رسول کے بارے میں ان کے طرز عمل سے واضح ہو جائیگی ۔ یہ حضرات ان احادیث کا جو ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح ہیں مثلاً زمین اور مکان کے

کرائے کو سود قرار دینے والی احادیث کا تو انکار کرتے ہیں اور اس سودی معاملے کو جائز قرار دینے کے لئے کمزور اور ضعیف احادیث کا سہارا لیتے ہیں ۔ یہ حضرات امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں جو خیالات رکھتے ہیں ، سطور سابقہ میں انہیں امام بخاری کی زبانی نقل کیا جا چکا ہے ۔ لیکن امام صاحب کی روایت کردہ احادیث کے بارے میں ان حنفی علماء کا طرز عمل حد درجہ افسوناک ہے ۔ جو امام صاحب کو حنفی فقہ کا بانی سمجھ کر ان کی فقہ کی پیروی بھی کرتے ہیں اور ان کی روایت کردہ صحیح حدیث کہ جسے اختلاف کے باوجود ائمہ حدیث نے بھی تسلیم کیا ہے در خور اعتناء نہیں سمجھتے ۔

مکہ مکرمہ کے مکانات فروخت کرنے کی اجازت

مکانات کے کرائے کا جواز تلاش کرنے والوں نے مکہ مکرمہ کے مکانوں کے کرائے کے سود ہونے کے بارے میں امام ابو حنیفہ کی روایت کردہ حدیث کا انکار تو کردیا ۔ لیکن اس بات پر انہیں دلی اطمینان حاصل نہ ہو سکا ۔ آخر کسی حرام معاملے کو حلال قرار دینا کوئی آسان بات نہیں ۔ چنانچہ اس بارے میں انہوں نے حنفی فقہا کے ایک اور فتوے سے استدلال کیا ۔ جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے ۔

"مکہ مکرمہ کی عمارتوں اور زمین کو بیچنا بلا کراہت جائز ہے ۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے ۔ اور اسی پر فتوی ہے ۔ صاحب ہدایہ اپنی ایک دوسری کتاب مختارات النوازل میں فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے مکانات اور ان کے کرائے میں کوئی حرج نہیں ۔ لیکن امام زیلعی نے ہدایہ کی تخریج نصب الرایہ میں بیان کیا ہے ۔ کہ ان مکانات کا کرایہ مکروہ ہے ۔(درمختار برہامش ردالمحتار جلد پنجم ص ۲۸۷)

اس قول کے غلط ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ اس میں صاحب ہدایہ مکہ مکرمہ کے مکانات کے کرائے کو جائز کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے ۔ حالانکہ وہ اپنی سب سے مشہور کتاب ہدایہ میں اسے خالص سود قرار دے چکے ہیں ۔ کیا علامہ مرغینانی جیسے اعلی پایہ کے فقیہہ سے یہ توقع کی جا سکتی ہے ۔ کہ وہ اپنی مشہور ترین کتاب میں تو ایک معاملے کو سود اور لہذا حرام قرار دیں اور اپنی ایک غیر معروف کتاب کہ جس کے نام سے بھی کوئی واقف نہ ہو سود کو جائز قرار دے دیں ۔ جہاں تک مکہ مکرمہ کے مکانوں کی خرید و فروخت کا تعلق ہے اس بارے میں بھی امام ابو حنیفہ کا فتوی بڑا واضح ہے ۔ قاضی ابوبکر جصاصؒ نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :۔

Marfat.com

"وقال ابو حنیفہ لاباس یبیع بناء بیوت مکۃ واکرہ بیع اراضیھا"

(ترجمہ) امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ کے مکانات کی عمارتوں کی خرید و فروخت ان کی زمین کو مستثنٰی قرار دیتے ہوئے جائز ہے ۔ کیونکہ ان مکانات کی زمین کی فروخت ناجائز ہے ۔

بغداد کے مکانات کی شرعی حیثیت

جو لوگ مکہ مکرمہ کی اراضی پر عمارتیں تعمیر کرتے ہیں ، امام صاحب نے انہیں ان عمارتوں کا مالک قرار دیا ہے ۔ وہ عمارت کا ملبہ یا ڈھانچا تو فروخت کر سکتے ہیں لیکن اس کی زمین فروخت کرنے کے مجاز نہیں بعد میں یہی فتوی علماء نے خراجی اراضی پر تعمیر ہونے والے مکانات کے سلسلے میں دیا ۔ کیونکہ ہمارے ملک کی اراضی خراجی کے ذیل میں آیت ہے ۔ اسلئے اس فتوی کا نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں ۔

مکہ مکرمہ کے بعد بغداد نے بھی اسلامی دنیا کے ایک بین الاقوامی شہر کی حیثیت اختیار کرلی تھی ۔ اسلئے فقہائے اسلام نے اس شہر کے مکانات کے بارے میں یہ فتوی دیا ۔

و منع جماعۃ من العلما من بیع ارض بغداد لکونھا من ارض السواد وارض السواد عندھم موقوفۃ لا یصح بیعھا

(تاریخ بغداد تالیف خطیب بغدادی جلد اول ص ۴)

(ترجمہ) فقہاء کی ایک جماعت نے بغداد کی زمین کی فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے ۔ کیوں کہ وہ ارض سواد یعنی خراجی ہے اور خراجی اراضی ان کے نزدیک مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے لئے وقف ہے ۔ اس کی خرید و فروخت جائز نہیں ۔

ہاں مکہ مکرمہ کے مکانات کی طرح بعداد شہر کی اراضی پر تعمیر مکانات کے ڈھانچے یا ملبے کے فروخت کی اجازت دی گئی ۔ لیکن ان مکانات کی زمین کو فروخت کرنے کی اجازت نہ دی گئی ۔ (ایضاً)

ان تفصیلات سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے ۔ کہ مکہ مکرمہ کے مکانات کے کرائے کے سود ہونے کے بارے میں امام صاحب کی روایت کردہ حدیث نہ

Marfat.com

صرف یہ کہ ائمہ حدیث کے اصولوں کے مطابق صحیح ہے بلکہ علمی طور پر بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اور ایک عام فہم کا آدمی عقلی طور پر بھی اس کے صحیح ہونے پر استدلال کر سکتا ہے ۔ امام صاحب کی روایت کردہ حدیث کو غلط ثابت کرنے کیلئے ضروری تھا ۔ کہ یہ حضرات کوئی ایسی حدیث سامنے لاتے جس میں مکہ مکرمہ کے کرایوں کے جواز کی گنجائش ملتی ۔ لیکن اس موضوع پر کوئی ضعیف حدیث بھی انہین نہ مل سکی تو پھر انہوں نے بٹائی کے بارے میں چند ضعیف حدیثوں کا سہارا لیکر مکانات کے کرائے کو اس معاملے پر قیاس کرتے ہوے اسکا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اس بارے میں ان کا استدلال اگرچہ صحیح ہے لیکن جن احادیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے وہ خود ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں ۔ بلکہ زمین کے کرائے کے بارے میں تو خود ائمہ حدیث سے روایت کردہ ایسی احادیث موجود ہیں جن میں خود رسول اللہ صلعم نے اپنی زبان مبارک سے اس معاملے کو بھی سودی قرار دیا ہے ۔ لیکن ان حضرات کی دیانتداری ملاحظہ ہو کہ وہ ان صحیح احادیث پر پردہ ڈال کر کمزور احادیث سے اپنا غلط مسلک ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی اس ناکام کوشش کی تفصیلات اگلے باب میں بیان کی جائیگی ۔

Marfat.com

تیسرا باب

کرایہ زمین (بٹائی) اور کرایہ مکانات

مکانات کے کرائے کو جائز قرار دینے والے ، اہل علم کو سارے ذخیرہ حدیث میں ایک روایت بھی ایسی نہیں مل سکتی جسے وہ اپنے مسلک کی تائید میں پیش کر سکتے اس کے برعکس صرف وہ احادیث ملتی ہیں ، جن میں مکہ مکرمہ کے کرائے کو خالص سود قرار دیا گیا ہے ۔ ہاں اس سلسلے میں اکا دکا واقعات ایسے ملتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے مکانات کو کرایہ پر دیا گیا ۔ لیکن ساتھ ہی یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ ویسی ہی اضطراری حالتیں تھیں جب کہ شریعت اسلامی میں مردار کھانے کی اجازت دی گئی ۔ مختصر یہ کہ ایک عام قاعدے کے طور پر اس کا جواز ثابت نہیں ہو سکا ۔ تاہم اس کے ثبوت کے لئے انہوں نے چند ضعیف احادیث کا سہارا لیا ہے جن میں ان کی تشریح کے مطابق زمین کے کرائے کو جائز قرار دیا گیا ہے

کرایہ مکانات کے لئے کرایہ زمین سے استدلال

پچھلے سال (۱۹۸۷) جنوری کے مہینے میں یہ مسئلہ وفاقی شرعی عدالت کے سامنے پیش ہوا ۔ جس میں کرایہ مکانات کی شرعی حیثیت زیر بحث تھی اس بحث میں بھی علماء حضرات نے زیادہ تر بٹائی والی احادیث سے استدلال کی کوشش کی ۔ علماء کی جانب سے عدالت عالیہ کے سامنے جو تحریری بیانات پیش کئے گئے ان میں سب سے طویل ترین بیان مولانا نور الحسن نوری صاحب کا تھا ۔ علماء نے بھی اس بیان کی تعریف کی اور انہوں نے بعد میں اس بیان کو سہ ماہی رسالہ منہاج کی اپریل ۸۷ کی اشاعت میں شائع بھی کیا ۔ ان کے ساتھ ہی ایک دوسرے عالم دین جناب ڈاکٹر عبدالواحد نائب مفتی جامعہ مدینہ لاہور کا مضمون بھی شائع کیا گیا ان دونوں حضرات کی نگارشات کو دوسرے علماء کی نسبت زیادہ مستند سمجھا گیا ۔ اسلئے افادہ عام کیلئے انہیں رسالہ منہاج میں بھی شائع کیا گیا ۔ یہ دونوں بیانات اس رسالے کے پورے ڈیڑھ صد صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں ۔ اور ایک متوسط ضخامت کی کتاب کے برابر ہیں

Marfat.com

کرایہ زمین کو سود قرار دینے والی احادیث

اس اہم مسئلہ میں ان حضرات کی دیانت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے ۔ کہ انہوں نے اس ڈیڑھ صد صفحات کی کتاب میں کمزور سے کمزور اور نامانوس سے نامانوس اقوال جمع کر دیئے ہیں لیکن جن احادیث میں زمین کے کرائے کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے واضح الفاظ میں سود قرار دیا تھا ان کا ذکر کرنا تو کجا ، ان کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ۔ حالانکہ چاروں مذاہب کے بانی فقہاء نے انہی احادیث کے حوالے سے زمین کے کرائے یعنی بٹائی کے معاملے کو حرام قرار دیا تھا ۔ پہلے یہ احادیث ملاحظہ ہوں:۔

عن ابن ابی نعیم حدثنی رافع بن خدیج اَنہٗ زرع ارضا فمر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو لیسقھا فسألہٗ لمن الزرع ؟۔ ولمن الارض ۔ فقال زَرْعی یبذری وعملی لی الشطر ولنبی فلان الشطر ۔ فقال اربیتما ۔ فرد الارض عل اھلھا ۔ وخذ نفقتک" (سننس ابو داؤد جلد دوم ص ۲۳۴) (ترجمہ) ابن ابی نعیم سے روایت ہے کہ مجھ سے رافع بن خدیج نے بیان کیا کہ انہوں نے زمین کے ایک ٹکڑے کو کاشت کیا تھا ، تو رسول اللہ صلی علیہ وسلم وہاں سے گزرے ۔ جبکہ میں کھیتی کو پانی دے رہا تھا ۔ آپ نے پوچھا یہ کھیتی اور زمین کس کی ہے ۔ میں نے جواب دیا کہ بیج اور کام کی شرط پر ، یہ کھیتی میری ہے اس میں ایک حصہ میرا ہوگا اور ایک بنی فلان (جو زمین کے مالک ہیں) کا آپ نے فرمایا کہ آپ دونوں نے سودی معاملہ کیا ، زمین اصل مالکوں کو واپس کر دو اور ان سے اپنے اخراجات لے لو"

اس بارے میں جو دوسری حدیث مروی ہے ۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے کرائے کے حرام ہونے کے لئے ہوبہو وہی الفاظ استعمال فرمائے جو قرآن مجید میں سود کے حرام ہونے کیلئے استعمال کئے گئے تھے ارشاد ہے:۔

عن جابر بن عبداللہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من لم یذر المخابرۃ فلیاذن بحرب من اللہ ورسولہ (ایضاً صفحہ ۲۳۵)

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص زمین کو بٹائی پر دینے کے معاملے کو ترک نہیں کرتا ، وہ اللہ تعالی اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کرنے پر تیار ہو جائے ۔

Marfat.com

کرایہ زمین کے بارے میں ائمہ فقہ کا فتوی

ان احادیث صحیحہ کی روشنی میں اہل سنت کے چار اماموں میں سے امام ابوحنیفہ ، امام مالک اور امام شافعی نے زمین کو کرائے پر دینے کے ہر معاملے کو حرام قرار دے دیا تھا (ملاحظہ ہو ہدایہ مع شرح فتح القدیر جلد ہشتم صفحہ ۳۲ مطبوعہ مصر) حنفی فقہ کی ایک دوسری معتبر کتاب بدائع الصنائع میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا فتوی ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:۔

واما شرعیۃ المزارعۃ فقد اختلف فیھا ۔ قال ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ اَنّھا غیر مشروعۃ وبہ اخذ الشافعی رحمۃ اللہ علیہ ۔

(بدائع الصنائع جلد ششم ۱۷۵)

(ترجمہ) جہاں تک شریعت اسلامی میں زمین کے کرائے کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے ، امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ وہ حرام ہے اور ایسا ہی فتوی امام شافعی نے دیا ،

یہ دونوں احادیث سنن ابو داؤد سے نقل کی گئی ہے ۔ حدیث کے اس مجموعے کی خصوصیت یہ ہے کہ جن احادیث کے بارے میں امام ابو داؤد نے سکوت اختیار کیا ہے ۔ انہیں تمام ائمہ حدیث صحیح تسلیم کرتے ہیں ۔ جس حدیث میں انہیں کوئی کمزوری نظر آئے تو اس کی نشاندہی وہ خود کر دیتے ہیں ، مثلاً ان میں ایک وہ حدیث ہے ۔ جس کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمر ایک گلی سے گزر رہے تھے تو انہوں نے بانسری کی آواز سنی اس پر انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں ۔ اور کافی آگے جا کر انہیں کانوں سے نکالا ۔ امام ابو داؤد اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے ۔ لیکن ہمارے علماء کرام اس ضعیف حدیث کو تو جھوم جھوم کر بیان کرتے ہیں اور اس کے حوالے سے موسیقی کو حرام قرار دیتے ہیں ۔ لیکن زمین کے کرائے یعنی بٹائی کو سود قرار دینے والی احادیث کہ جنہیں خود امام ابو داؤد نے صحیح قرار دیا تھا ، ان پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور اپنے غلط مسلک کو ثابت کرنے کیلئے کمزور احادیث کا سہارا لیتے ہیں ۔ یہ کیسے ممکن ہے ۔ کہ اس معاملے کے جواز کے بارے میں احادیث موجود ہوں اور امام ابو حنیفہ ، امام شافعی اور امام مالک جیسے عظیم فقہاء انہیں رد کر کے اس معاملے کے حرام ہونے کا فتوی دیں ۔ اس موضوع پر تمام صحیح اور ضعیف احادیث کا استناد

Marfat.com

مکرم مولانا محمد طاسین صاحب نے بڑا خوبصورت جائزہ لیا ہے ۔ اسے ایک مستقل باب (چھٹا باب) کی صورت میں اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے ، اس کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ ان حضرات نے کس طرح تنکوں کے سہارے ڈھونڈے ہیں ۔

قاضی ابو یوسف کا جواز کا فتوی

امام ابو حنیفہ ، امام مالک اور امام شافعی رحمھم اللہ نے زمین کے کرائے کے حرام ہونے کے بارے میں جو فتوے جاری کئے تھے کوئی اہل علم ان کا انکار نہیں کر سکتا کیونکہ وہ فقہ کی ہر کتاب میں موجود ہیں ۔ تاہم اس سلسلے میں وہ امام ابو حنیفہ کے ایک شاگرد قاضی امام یوسف کے ایک فتوی کا سہارا لیتے ہیں ۔ جس میں انہوں نے ان الفاظ میں زمین کے کرائے کے جواز کا فتوی دیا تھا:۔

"فیجوز علی اصول المضاربۃ لحاجۃ الناس اِلیھا

(ترجمہ) یعنی بٹائی کا معاملہ مضاربت کے اصول پر جائز ہے کیونکہ لوگوں کو اس کی حاجت ہوتی ہے ۔

جیسا کہ اس فتوی کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ کوئی عام فتوی نہیں تھا ۔ کہ بطور اصول اس قسم کے معاملات کو مطلقاً جائز سمجھا جائے امام ابو یوسف نے یہ فتوی اضطراری حالتوں کے لئے دیا تھا ۔ اور اس اضطراری حالت کے حوالے سے یہ بھی بتایا جا چکا ہے ۔ کہ بعض فقہاء نے مکہ مکرمہ کے مکانوں کے کرائے کو بھی جائز قرار دیا تھا اور جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے یہ وضاحت کی تھی کہ اللہ تعالی نے مجبور شخص کو مردار کھانے کی اجازت بھی تو دی ہے ۔ امام ابو یوسف کا فتوی بھی ٹھیک ٹھیک اضطرار کے ان اصولوں کے مطابق تھا ۔ وہ خود اس معاملے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس ذریعہ سے حاصل کردہ آمدنی کو حرام قرار دیتے تھے چنانچہ حنفی فقہ کی کتابوں میں دوسرے مقامات پر ان کے اس بارے میں طرز عمل سے وضاحت ہو جاتی ہے ۔ مثلاً فقہ کی کتابوں میں جہاں یہ بیان ہے کہ کن کن لوگوں کی دعوت شرعاً قبول کی جا سکتی ہے ۔ وہاں اس بارے میں قاضی ابو یوسف کا فتوی ان الفاظ میں درج ہے:۔

"وفی روضۃ یجیبُ دعوۃ الفاسق والورع ان لا یجیبہ ودعوۃ الذی اخذ الارض مزارعۃ او ید فعھا علی ھذا کذا فی الوجیز لکردری (فتاوی عالمگیری جلد پنجم ص ۳۴۳)

(ترجمہ) اور کتاب روضۃ میں لکھا ہے کہ فاسق کی دعوت قبول کر لی جائے ۔ مگر پرہیز

Marfat.com

گاری یہ ہے کہ اس کی دعوت قبول نہ کرے اور جو شخص زمین کرائے پر لیتا ہے یا دیتا ہے اس کی نسبت بھی یہی حکم ہے یہ وجیز کردری میں ہے

(اردو ترجمہ فتاوی عالمگیری جلد نہم شیخ غلام علی ایڈیشن ص ۷۵)

اس فتوی پر حنفی فقہ کے تمام ائمہ کا کامل اتفاق ہے ۔ اس سے ظاہر ہے ۔ کہ امام ابو یوسف نے زمین کے کرائے کا جو فتوی دیا تھا وہ بعض مجبوری کی حالتوں کے لئے تھا ۔ لیکن اس فتوے کے باوجود وہ ایسے شخص کو آمدنی کو پاک و صاف نہیں سمجھتے تھے ۔ بلکہ اسے فاسق کی آمدنی سے تشبیہ دیتے ہوئے ایسے شخص کی دعوت قبول کرنے سے منع فرما دیا تھا ۔

کرایہ زمین سود ہے

صاحب تفسیر مواہب الرحمٰن مولانا امیر علی صاحب کا برصغیر کے چوٹی کے علماء میں شمار ہوتا ہے ۔ انہوں نے پوری تیس جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی ۔ لیکن اس ساری تفسیر میں کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں مل سکتا کہ انہوں نے اپنے غلط مسلک کو ثابت کرنے کے لئے کہیں بھی صحیح احادیث پر پردہ ڈالا ہو ۔ چنانچہ جس آیت میں سود کے حرام ہونے کے احکامات نازل ہونے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"ابو داؤد نے بسندِ جید حضرت جابر سے روایت کی کہ جب یہ آیت الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مخابرہ (بٹائی کا معاملہ) کو نہ چھوڑے وہ اللہ تعالی اور اس کے رسول سے لڑائی پر اعلان دے ۔ اس حدیث کو حاکم نے بھی مستدرک میں روایت کر کے کہا ہے کہ صحیح علی شرط مسلم اور مخابرہ یہ ہے کہ زمین کو کھیتی کے واسطے دے بعض پیداوار اُس زمین پر یعنی اس کی پیداوار میں سے نصف یا تہائی وغیرہ پر

(تفسیر مواہب الرحمٰن جلد سوم ص ۱۰۳)

کرایہ زمین کے بارے میں جدید علمی تحقیق

مولانا امیر علی صاحب کے سامنے بھی امام ابو یوسف کا وہ فتوی تھا ۔ جس میں بعض مجبوری کی حالتوں میں زمین کے کرائے کے جواز کا فتوی دیا گیا تھا ۔ وہ بھی اسے

ایسا سمجھتے تھے ۔ اور اس بارے میں جن احادیث میں ایسے معاملے کو خالص سود قرار دیا گیا ہے ۔ وہ ان احادیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں اور جب وہ حنفی فقہ کے پیروکار ہونے کے باجود زمین کے کرائے کو سود قرار دیتے ہیں ۔ تو اس سودی معاملے کو جائز کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے ۔ ان احادیث نبوی کی تصدیق دورِ جدید کی علمی تحقیق سے بھی ہوتی ہے ۔ زمانہِ جدید کا مشہور ماہر معاشیات لارڈ کینز اس معاملے کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

Locks Explains that money has two values (1) its value in use which is given by the rate of interest and in this it has the nature of land. The income of one being called rent, of the other use . use being of course, old fashioned English for interest.

(The General Theory of Employment Interest and Money by Jhon Maynard Keynes, London - 1957 elt-p-343)

(ترجمہ) لاکس نے وضاحت کی ہے کہ سرمائے کی دو قدریں ہیں ایک سرمائے سے حاصل ہونے والا سود اور اس معاملے میں وہ اراضی کے کرائے کے معاملے کے مشابہ ہے ۔ اراضی سے حاصل ہونے والی آمدنی کو کرایہ کہا جاتا ہے ۔ اور نقد سرمایہ سے حاصل ہونے والے منافع کو سود (یعنی دونوں اصل میں ایک ہیں)

مکانات کے کرائے کے سود ہونے کے بارے میں احادیث نبوی اور اوپر دیئے گئے علمی تحقیق کے جدید اصول کے بعد بھی اگر کسی کو اس کے سود ہونے کے بارے میں شک ہو تو پھر اسے سمجھانے کیلئے ایک سادہ سی مثال بیان کی جاتی ہے ۔ یعنی اگر کسی سرمایہ دار کے پاس اس کی ضرورت سے زائد ایک لاکھ روپیہ فالتو موجود ہے ۔ وہ اسے بینک میں جمع کروا دیتا ہے ۔ وہاں سے اسے اس رقم پر جو نفع ملتا ہے وہ سب کے نزدیک بالاتفاق سود ہے ۔ لیکن اگر وہ اسی رقم کی زرعی اراضی خرید کر کسی کاشتکار کو کرائے پر دیکر سود سے بھی زیادہ کرایہ وصول کر لیتا ہے تو اس کے سود ہونے میں کیوں اختلاف ہے ؟۔ بلکہ زمین کے اس کرائے سے تو بینک کے سود سے بھی زیادہ آمدنی ہوتی ہے ۔ اسلئے یہ بینک کے سود کی نسبت زیادہ مجرمانہ فعل بنتا ہے

مختصر یہ کہ زمین کا کرایہ یعنی بٹائی کا معاملہ کہ جس کے حوالے سے مکانات کے کرائے کا جواز تلاش کیا جاتا ہے ۔ احادیث نبوی اور جدید علمی تحقیق کی روشنی میں خود سودی معاملہ قرار پاتا ہے اسلئے اس سے جس معاملے کے بارے میں استدلال کیا جائیگا وہ بھی سود قرار پائیگا ۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ جو بٹائی کے معاملے کو حرام قرار دیتے تھے ، وہ مکانات کے کرائے کو بھی سود کے مشابہ سمجھتے تھے ۔

چوتھا باب

سعودی عرب کے علماء کا زمین کو کرائے پر دینے کے بارے میں فتوی

پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام ۱۹۵۷ء کے آخر میں ملکیت زمین اور اس کے کرائے کی شرعی حیثیت کے بارے میں جو بین الاقوامی مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی تھی ۔ اس مذاکرہ میں سعودی عرب کے علماء کی نمائندگی وہاں کے ایک جید عالم جناب سید عبدالحمید الخطیب نے کی تھی شریعت اسلامی میں زمین کے کرائے یعنی اس کو بٹائی پر دینے کے معاملے کو انہوں نے حرام ثابت کیا ۔ مولانا مودودی صاحب اس مذاکرے کے منتظمین میں سے تھے ، نہ تو انہوں نے اور نہ ہی وہاں پر موجود کسی دوسرے عالم دین نے ان کے اس مقالے پر اعتراض کیا ۔ بعد میں یہ مقالہ ، دوسرے مقالات کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی کی جانب سے شائع کیا گیا ۔ یہ اس مجموعے کے صفحات ۱۲۸ تا ۱۵۵ تک پر موجود ہے ۔ اصل مقالہ عربی زبان میں ہے ۔ جس کا ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے

اسلام میں نظام ملکیت

(مؤلف)

اسلام میں ملکیت کا نظام ایک صحیح معقول بنیاد پر قائم ہے ۔ وہ بنیاد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کا اُس وقت تک مالک نہیں ہو سکتا جب تک اُسے اس کی قدرت و استطاعت نہ ہو کہ وہ بدست خود اس میں کام کر سکے ۔

انسان کو اس زندگی میں مختلف قوتیں دی گئی ہیں مگر اسے یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ اپنے اعضاء میں سے کسی عضو پر مستبدانہ طور پر مسلط ہو کر اُسے کوئی نفع ، نقصان ، حرکت یا سکون پہنچا سکے ۔ وہ ان اعضاء سے اتنا ہی کام لے سکتا ہے جتنا کام لینے کا اسے حق دیا گیا ہے کیونکہ انسان کے تمام اعضاء درحقیقت اس ہستی کی ملکیت ہیں جس نے انہیں

Marfat.com

پیدا کیا اور جس نے انہیں زندگی اور یہ قدرت عطا کی کہ وہ اپنے وظائف ادا کر سکیں ۔ ظاہر ہے کہ انسان جو خود اپنے نفس اور اپنے ان اعضاء کا بھی مالک نہیں جو اس کے ساتھ اس قدر وابستگی رکھتے ہیں تو دوسرے چیزوں کا مالک کس طرح ہو سکتا ہے ۔ تمام چیزوں کا مالک درحقیقت خدا ہے ۔ اس حقیقت کے اثبات کے لئے حق تعالٰے فرماتے ہیں ۔

"قل لمن الارض ومن فیھا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قل فانٰی تسحرون"

(ترجمہ) اے پیغمبر اسلام ! تم ان سے پوچھو کہ یہ زمین اور اس کی ساری چیزیں کس کی ہیں ؟ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ ۔ یہ لوگ اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ یہ سب چیزیں اللہ کی ہیں ۔ آپ ان سے کہیئے کہ (اس بات کو جانتے کے باوجود) کیا تم اللہ تعالی کے قوانین کی نگہداشت نہیں کرتے ؟ ان سے پوچھئے کہ (کائنات) کی ہر چیز کا اقتدار کس کے ہاتھ میں ہے کہ وہی ہر چیز کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے خلاف کوئی ہستی کسی چیز کی حفاظت نہیں کر سکتی اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ ۔ وہ اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ اللہ تعالی ہی (ہر چیز کی حفاظت کرتا اور اسی کے ہاتھ میں ہر چیز کا اقتدار) ہے آپ ان سے پوچھئے کہ (یہ بات جانتے بوجھتے) تم کدھر کو بھٹک رہے ہو ۔

چونکہ اللہ تعالی ہی تمام انسانوں کا خالق ہے اس لئے وہی ان کا مالک اور آقا ہے جس نے ان کے رزق کی ذمہ داری اٹھالی ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ وہ اس کے مقررہ قوانین کے مطابق کوشش کر کے دنیا میں اس رزق کے مواقع کو تلاش کریں ۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ لوگ محض اپنی رغبت اور خواہش کی وجہ سے اس کا اختیار رکھتے ہیں کہ مستبدانہ طریقہ سے اس میں کاروائی کر سکیں ۔ یہ ایک ایسی بات ہے جسے نہ عقل تسلیم کرتی ہے اور نہ منطق ۔ بلکہ ظاہر ہے کہ اس رزق کے اصل مالک کی رائے معلوم کرنا نہایت ضروری ہے ۔ نیز یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ وہ اس ملکیت میں کس حد تک تصرف کرنے کی اجازت دیتا ہے ۔ آیا یہ اجازت اس کی طرف سے دائمی استفادہ کے طور پر حاصل ہے یا کسی خاص وقت تک کے لئے ہے ؟ یعنی یہ کس حد اور کس وقت تک کے لئے ہے ؟

مستقل اور دائمی ملکیت ! تو اسے عقل تسلیم نہیں کرتی ۔ کیونکہ انسان خود بھی ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے لہذا وہ کسی چیز کا دائمی طور پر کیسے مالک ہو سکتا ہے ۔ دائمی ملکیت تو صرف اللہ تعالی ہی کو حاصل ہو سکتی ہے ۔ جس نے صاف صاف کہ دیا ہے ۔

انا نحن نَرِثُ الارض ومن علیھا والینا یرجعون"

(ترجمہ) ہم ہی زمین کے اور زمین پر موجود چیزوں کے وارث ہیں اور ہماری ہی طرف یہ تمام چیزیں لوٹائی جائینگی ۔

رہ گئی مؤقت اور محدود ملکیت تو وہ ایک فرد کی وہ ذاتی ملکیت ہے جسے وہ محض اپنی زندگی بھر تک کے لئے حاصل کر سکتا ہے ملکیت بہر حال زندگی کی ان لذتوں سے تو متجاوز نہیں ہو سکتی جنہیں وہ مقرر شدہ عمر میں محسوس کرتا رہتا ہے ۔ اسی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے اشارہ فرمایا ہے ۔

یقول ابن ادم مالی مالی وھل لک یا ابن ادم من مالک الا ما اکلت فافنیت او لبست فابلیت او تصدقت فامضیت

(ترجمہ) آدم کی اولاد کہتی ہے "میرا مال ۔ میرا مال" ۔ حالانکہ اے آدم کی اولاد ! تیرا مال اس کے سوا کیا ہے جو تو نے کھا لیا اور کھا کر ختم کر دیا ۔ یا پہن کر پھاڑ دیا ۔ یا دوسرے ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دے دیا اور اس طرح اسے آگے بھیج دیا ۔

نسان جب مر جاتا ہے تو جو کچھ مال وہ چھوڑ کر مر جاتا ہے اس پر اسے کوئی اقتدار باقی نہیں رہتا بلکہ اس مال کے اصلی عطا کرنے والے یعنی اللہ تعالی کی طرف تمام مال لوٹ جاتا ہے اور اس کے حکم کے مطابق وہ ان لوگوں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے جو اس کے بعد اس کے مستحق ہوتے ہیں ۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔

ایکم مال وارثہ احب الیہ من مالہ ؟ قالو یا رسول اللہ مامنا احد الا مالہ احب الیہ قال فان مالہ ماقدم ومال وارثہ ماخر

(ترجمہ) تم میں وہ کون لوگ ہیں جنہیں اپنے مال سے زیادہ وارثوں کا مال زیادہ محبوب ہو ؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ ہم میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ہے ۔ ہم سب کو تو اپنا مال ہی محبوب تر ہے ۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو پھر تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تمہارا مال تو وہی ہے جو تم نے (دوسرے ضرورت مندوں کو ضروریات پوری کر کے) آگے بھیج دیا ہے اور وارث کا مال وہ ہے جو وہ اپنے مرنے کے بعد پیچھے چھوڑ گیا ۔

Marfat.com

چونکہ انسان کو اپنے مال پر مکمل اقتدار حاصل نہیں ہے اسی لئے ایسے آدمیوں کے تصرفات شریعت نے کالعدم قرار دے دینے کی اجازت دی ہے جو اپنے اموال میں مناسب طور پر تصرفات کرنے کے اہل نہ ہوں (سفیہ یعنی بے وقوف)نیز اس کی اجازت بھی نہیں دی کہ آدمی اپنے وارثوں کے زندہ موجود ہوتے ہوئے اپنا سارا مال خیرات کر ڈالے اس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کا اقتدار اپنے اموال پر محض نیابت کی حیثیت سے ہے کہ جو کچھ اُسے ان اموال سے حاصل ہو اسے ایک طرف دائیں ہاتھ سے وہ لے سکتا اور اس سے ایک مقررہ وقت تک کے لئے نفع اندوز ہو سکتا ہے ۔ مگر دوسری طرف بائیں ہاتھ سے اسے اپنے بعد میں آنے والوں کے حوالہ کرتا جاتا ہے ۔ حتی کہ وہ اسی طرح شدہ شدہ تم تک پہونچ جاتا ہے ۔

حق تعالےٰ نے اسی حقیقت کی طرف اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے کہ : ۔

"عسی ربکم ان یھلک عدوکم و یستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعلمون"

(ترجمہ) وہ وقت قریب آرہا ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر کے تمہیں زمین میں اس کا جانشین بنا دے گا تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ تم اس میں کیسے کام کرتے ہو ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ

(ترجمہ) جن مالوں میں خدا نے تمہیں جانشین بنا دیا ہے ان کو مفاد عامہ کے لئے کھلا رکھو

لہذا جو کچھ انسان کے اپنے عمل اور ایجاد کا نتیجہ ہو اور اسے اس پر قدرت حاصل ہو کہ وہ اس پر غلبہ و اقتدار حاصل کر کے تنہا کام کر سکے وہاں وہ چیزیں اس کی ملکیت شمار ہوں گی اور کوئی اس کا معارض نہیں ہوگا ۔ لیکن یہ ملکیت ایک خاص مدت تک کے لئے ہی ہو سکتی ہے ۔ لیکن جو چیزیں کسی آدمی کے عمل اور ایجاد کا نتیجہ نہ ہوں وہ ان کا مالک نہیں ہو سکتا ۔ اور نہ ہی اُسے ان میں تصرف کرنے کا کوئی حق ہے ۔ البتہ وہ اس میں اتنا تصرف کر سکتا ہے جتنا اولین حق رکھنے والی ہستی نے اس کو تصرف کرنے کا حق عطا کیا ہو ۔ اگر وہ اس حد سے آگے بڑھتا ہے تو اسے تعدی کرنے والا اور غلط طور تصرف کرنے والا شمار کیا جائے گا ۔ جس پر وہ مواخذہ اور گرفت کا مستحق ہو سکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالےٰ نے نہایت وضاحت سے فرمایا ہے ۔

ولقد علمتم النشات الاولی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ باسم ربک العظیم

(ترجمہ) ابتدائی پیدائش تو تم اچھی طرح جان چکے ہو ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ، جو کچھ تم کھیتی کرتے ہو تم نے اس پر غور کیا ؟ کیا ان کھیتوں کو تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر کے چورا بنا دیں اور تم حیرت زدہ ہو کر رہ جاؤ ۔ (نفع تو ایک طرف رہا) ہم پر تو الٹا تاوان پڑگیا (کہ بیج کی قیمت بھی گی اور محنت بھی اکارت ہوئی) بلکہ ہم تو حرماں نصیب ہو کر رہ گئے ۔ تم نے اس پانی پر غور کیا ہے جو تم (روزانہ) پیتے ہو ؟ کیا اس پانی کو بادلوں سے تم نے اتارا ہے یا ہم نے اتارا ہے ؟ اگر ہم چاہیں تو اسے سخت شور اور کھارا بنا دیں آخر تم نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے ؟ پھر کیا تم نے اس آگ پر بھی غور کیا ہے جسے تم جلاتے ہو ۔ اس کے درختوں کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم نے پیدا کیا ہے ؟ ہم نے اس چیز کو نصیحت حاصل کرنے کا ذریعہ اور ضرورت مندوں کے لئے فائدہ کا باعث بنایا ہے ۔ لہذا اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی صفت ربوبیت کے مطابق اپنی پوری ہمت اور توانائی کے ساتھ سرگرم عمل رہو ۔

کھیتی جو زمین سے اگتی ہے اس میں انسان کے عمل اور کھیتی کرنے کو کسی قدر دخل سہی ، لیکن ظاہر ہے کہ کھیتی کا نکلنا اور اس کا کلپوش اور ثمر بار ہونا انسانی تخلیق سے نہیں ہے ۔ پانی جس سے اس کھیتی کو سیراب کیا جاتا ہے وہ بھی انسان کا پیدا کردہ نہیں ہے درخت آدمی لگاتا ہے ، ان کو سرسبز کرنا اور نشوونما عطا کرنا بھی انسان کی قدرت و توانائی کا نہیں منت نہیں ہے ۔ لہذا ان چیزوں میں سے اس کا اتنا ہی حق ہو سکتا ہے جتنی اس نے کوشش اور کام کیا ہے ۔

علاوہ ازیں زمین کی ملکیت تو تنہا اللہ تعالی کی طرف لوٹتی ہے ۔ جیسا کہ خود اللہ تعالی نے قرآن کریم میں صاف صاف فرما دیا ہے ۔

قال موسی لِقَومِہِ استعینو باللہ واصبروا ان الارض لِلہ یورثھا من یشاء من عبادہ

(ترجمہ) موسیٰ نے اپنے قوم سے کہا کہ اللہ تعالی کے قوانین کے ماتحت اس سے مدد طلب کرو اور ثابت قدم رہو ۔ یقیناً زمین اللہ تعالی ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے ۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ زمین ساری کی ساری اللہ کی ملکیت ہے ۔ لہذا اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو جو اس کے ثمرات و نتائج حاصل کریں اسے عطا کر دیتا اور وارث بنا دیتا ہے ۔ اس کی تائید میں حق تعالےٰ نے دوسری جگہ یوں فرمایا ہے ۔

Marfat.com

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون

(ترجمہ) ہم نے نصیحت کرنے کے بعد زبور میں یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے بندوں میں سے وہ لوگ ہوں گے جو اس کی وارثت کی صلاحیت رکھتے ہوں گے ۔

یعنی زمین کو آباد کرنے اور اس میں کام کرنے کی ، نیز اس کے خزانے نکالنے کی صلاحیت رکھتے ہوں گے ۔ وہ لوگ نہیں جو عبادت کی صلاحیت رکھتے ہوں گے ۔ کیونکہ یہ صلاحیت تو ہر ایک میں ہوتی ہے ۔ لیکن زمین کو آباد کرنے اور اس میں کام کرنے کی صلاحیت ان ہی لوگوں میں ہوتی ہے جنہوں نے اس باب میں خصوصیت حاصل کی ہو ۔ مگر ان لوگوں کو بھی اسی مقدار کی وراثت حاصل ہو سکتی ہے جس مقدار سے وہ فائدہ اٹھانے کی قدرت رکھتے ہوں ۔ چنانچہ نسائی اور ابو داؤد نے عروہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

جس نے کسی غیر آباد زمین کو آباد کر لیا تو وہ اس کی ہے اور کسی ظالم متغلب کو اس پر کوئی حق نہیں ہے جس نے کسی ایسی زمین کو آباد کر لیا ۔ جو کسی کی نہیں تھی تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے ۔

دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا جھگڑا لے کر آئے ۔ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کی مزروعہ زمین میں کچھ کھجور کے درخت لگا لئے تھے ۔ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ زمین اللہ تعالی کی زمین ہے ۔ اور بندے ، اللہ کے بندے ہیں ۔ جس کسی نے اللہ تعالی کی کسی غیر آباد زمین کو آباد کر لیا تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے ۔ آپ نے اس آدمی کے حق میں زمین کا فیصلہ دیا جس نے اس میں پہلے سے کھیتی کر رکھی تھی ۔ اور کھجوروں والے سے فرمایا کہ وہ وہاں سے اپنی کھجوریں نکال لے ۔ چنانچہ کھجوروں کی جڑیں پھاوڑ لے اور کدالوں سے کھود کھود کر نکال دیگئیں ۔

صاحب حکمت شارع نے یہ ملکیت زمین کو آباد کرنے والے کے لئے اسی وقت تک رکھی ہے جب تک کہ وہ اسے آباد رکھ سکے ۔ اور اس کے بعد اس کی اولاد بھی اس کی وارث ہوگی بشرطیکہ وہ بذاتِ خود اسے آباد رکھنے اور اس میں کھیتی کرنے کی قدرت رکھتے ہوں ۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو انہیں اس کا حق نہیں ہے کہ وہ کرایہ پر اسے دوسرے لوگوں کو دے دیں ۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنھما سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ

Marfat.com

جس کے پاس کچھ زمین ہو اسے اس میں کھیتی کرنی چاہیئے ۔ اگر وہ اس میں خود کھیتی نہ کر سکے اور وہ اس سے عاجز ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اس زمین کو اپنے کسی مسلمان بھائی کو عطا کر دے مگر اسے کرایہ پر نہ دے ۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اسے اپنی زمین رہنے دینی چاہیئے ۔

تمام کتب صحاح اس پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ سے منع فرمایا ہے ۔ امام بخاری اور امام مسلم نے محاقلہ کی تفسیر زمین کو کرایہ پر دینے سے کی ہے امام مالک نے مؤطا میں کہا ہے کہ محاقلہ زمین کو گیہوں کے بدلے کرایہ پر دینا ہے ۔ رافعی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سونے چاندی کو کرایہ پر دینے کا دستور نہیں تھا ۔ اس لئے آپ کو اس سے منع فرمانے کی نوبت نہیں آئی ۔ ایسی صورت میں زمین کے قابض کو یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ پہلا آدمی زمین کو آباد کرنے کے بعد اپنے حق سے اس دوسرے آدمی کے حق میں دست بردار ہو جائے جو مسلسل اس میں کھیتی کرنے اور اسے آباد رکھنے کی استطاعت رکھتا ہو اور یہ دوسرا آدمی پہلے آدمی کو اس کا معاوضہ ادا کر دے جو اس نے اس زمین کو درست کرنے اور آباد کرنے میں خرچ کیا تھا ۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا ۔ اور زمین کو غیر آباد چھوڑے رکھتا ہے تو اس کا حق اس زمین سے ساقط ہو جائے گا ۔ اس کے بعد اگر کوئی دوسرا شخص اگر اسے ازسرنو آباد کرے اور اس میں کھیتی شروع کر دے تو وہ زمین اس دوسرے آدمی کی ہو جائے گی ۔ کیونکہ سعید بن الزبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ

جس کسی نے کسی زمین کو آباد کر لیا ۔ جس کو آباد رکھنے سے اس کا مالک عاجز ہوگیا تھا اور اسے وہ یونہی تباہ ہوتے چھوڑ چکا تھا تو وہ زمین اس دوسرے آباد کرنے والے کی ہو جائے گی ۔

زمین تمام انسانوں کی ملکیت ہے

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے زمین کو تمام نوع انسانی کے لئے ایک مشترکہ چیز قرار دیا ہے اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ زمین کے ایک حصہ پر قابض ہو کر بیٹھ رہے ۔ وہ زمین پر اُسی وقت تک قبضہ رکھ سکتا ہے ۔ جب تک اسے آباد رکھنے کے لئے عملی مشقتیں کرتا رہے اور جمہور کی مصلحت کی خاطر اس سے ثمرات و نتائج حاصل کرتا رہے ۔ اگر وہ شخص ان عملی مساعی اور مشقتوں سے باز رہے تو اسے اس زمین پر مسلسل قابض رہنے کا کوئی حق نہیں رہتا ۔ ایسی صورت میں زمین اپنی اصلی اور ابتدائی

Marfat.com

حالت کی طرف لوٹ آئے گی یعنی وہ سب کی مشترکہ ملکیت بن جائے گی ۔ زمین کو آباد کرنے کے سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ شرط عائد ہونا کہ زمین کو آباد کرنے والا خود اس پر کام کرے اور کرایہ پر زمین کو دینے سے منع فرمانا اور اس کی طرف اشارہ فرمانا ہے کہ اس ضمن میں وہ بلند مبداء کیا ہے جو اسلام لے کر آیا ہے ۔ یہ مبدا اللہ تعالی کے بندوں کے درمیان عام اشتراکیت اور حقوق و واجبات میں ان کا برابر ہونا اور ہر انسان کا اپنے مخصوص ائرہ میں کام کرنے کے لئے فارغ ہونا ہے تاکہ نتائج پوری قوت کے ساتھ پیدا ہو سکیں اور دوسری طرف ہر انسان کے عمل کے فوائد محفوظ رہ سکیں ۔ نیز مادی طور پر انسانوں کا ایک فریق دوسرے فریق پر غلبہ اور تسلط نہ حاصل کر لے اور لوگ اپنی معاش میں ایک دوسرے کے محتاج نہ ہو جائیں یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہر انسان پر کام کرنا واجب قرار دیا ہے تاکہ وہ اپنی سعی اور کوشش کے مطابق مشترک حیاتِ عامہ میں دوسروں کے برابر اپنا مقام حاصل کر سکے ۔

وان لیس للانسان الا ماسعی وان سَعْیَہٗ سوف یری ثم یجزاہ الجزاء الاولی

(ترجمہ) اور یہ کہ ہر انسان کے لئے اتنا ہی ہے جتنا وہ کوشش کرے اور یہ کہ اسے اپنی سعی اور کوشش کے نتائج مستقبل قریب میں نظر آجائیں اور پھر اسے اس کی سعی کا پورا پورا بدلہ مل جائے ۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک آدمی کا دوسرے آدمی کو زمین کرایہ پر دینا تاکہ اس کی پیداوار حاصل کر سکے اور اس کے نتائج میں شریک رہ سکے ۔ اس کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ دوسرے کا مال ناحق طور پر لینا چاہتا ہے کیونکہ اللہ تعالی کی زمین تمام انسانوں میں مشترک ہے اور اس میں وہی آدمی حقدار ہے جو اس میں کھیتی کر رہا ہو ۔ اور زمین کو کرایہ پر دینے والے کا موقف اس سلسلہ میں اس موقف سے الگ نہیں ہے جو زمین کو زور اور زبردستی غصب کر کے اپنے قبضہ میں لینے والے کا ہوتا ہے ۔ لہذا اس آدمی کے لئے زمین پر کسی قسم کا کرایہ وصول کرنا قطعاً جائز نہیں ہو سکتا ۔ یا اس شخص کی مثال ایک ایسے آدمی کی سی ہے جو لوگوں کے راستہ میں کھڑا ہو جائے اور انہیں زبردستی کام کرنے سے روکے تاوقتیکہ وہ اسے کچھ ٹیکس ادا نہ کر دیں ۔ ٹیکس وصول کرنے کے بعد وہ انہیں اپنے فرائض و واجبات ادا کرنے کی اجازت دیتا ہو ۔ لیکن ظاہر ہے کہ اسلام ان میں سے کسی صورت کو تسلیم نہیں کرتا ۔ یہی وجہ ہے جس کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

Marfat.com

یہ بات کہ آدمی اپنی زمین اپنے بھائی کو عطیہ کے طور پر دے دے اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس پر مقررہ کرایہ وصول کرے ۔

زمین کے ساتھ بعض وہ دوسری چیزیں بھی ملحق ہیں جو تمام انسانوں کے لئے خدا نے اپنے عطیہ کے طور پر بخشی ہیں ۔ شارع نے ان چیزوں کی ملکیت ہر انسان کے لئے مباح قرار دی ہے اور اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی آدمی ان پر قابض ہو جائے اور دوسرے لوگوں کو ان سے نفع اندوز ہونے سے روک دے ۔ چنانچہ رسول اکرم سے پوچھا گیا کہ وہ کونسی چیزیں ہیں جن کو روک کر رکھنا کسی انسان کے لئے جائز نہیں ہے آپ نے فرمایا کہ ان چیزوں میں سے پانی ہے جسے روکنا جائز نہیں ہے پوچھنے والے نے پوچھا کہ پانی کے بعد اور کون سی چیز ہے جسے روکا نہیں جا سکتا ۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد نمک ہے ۔ پوچھنے والے نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد اور کون سی چیز ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد آگ ہے جسے روک کر رکھا نہیں جا سکتا ۔ پوچھنے والے نے سوال کیا کہ اے اللہ کے نبی ! وہ کون کون سی چیزیں ہیں جن کو روک کر رکھنا جائز نہیں ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ جس قدر بھلائی تم کر سکو وہ تمہارے لئے اتنا ہی بہتر ہے ۔ نیز حضور اکرم نے فرمایا کہ تمام مسلمان تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں پانی ۔ گھاس اور آگ ۔ نیز آپ نے فرمایا کہ پانی کو نہ روکو تاکہ پانی کو روک کر تم گھاس کو روک کر رکھ سکو ۔ دوسری روایت میں ہے کہ ضرورت سے زیادہ پانی کو فروخت نہیں کیا جا سکتا تاکہ اس طرح گھاس کو فروخت کیا جا سکے ۔ نیز آپ نے فرمایا کہ کنویں کے نفع کو روکا نہیں جا سکتا ۔ یعنی کنویں سے جو پانی نکلتا ہے اور کنویں والے کی ضرورت سے زیادہ ہے اسے فروخت نہیں کیا جا سکتا ۔

زمین کرائے پر دینا جائز نہیں

چونکہ زمین کو نقد کرایہ پر دینا اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کی تصریحات کے مطابق ممنوع تھا اس لئے مسلمانوں کا رجحان اس طرف ہوگیا کہ وہ زمین کو مزارعت کے طریقہ پر کرایہ پر دینے کو جائز قرار دے دیں ۔ بشرطیکہ زمین سے جو کچھ حاصل ہو اس کے کسی حصہ میں زمین کا مالک بھی شریک ہو (مثلاً بیج زمین کے مالک کا ہو یا کھیتی میں کام کرنے والے مویشی اس کی ملکیت ہوں) اور کھیتی کرنے والے کا حصہ اس کے برابر یا اس سے کم و بیش ہو ۔ غرضیکہ باہمی رضامندی سے جس طرح ان دونوں کے درمیان طے ہو جائے کیونکہ اس صورت میں باہمی اشتراک کا وہ

Marfat.com

مضمون پایا جاتا ہے جس کی طرف اسلام دعوت دیتا ہے ۔ اس صورت کو جائز قرار دینے کے لئے ان لوگوں کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عمل ہے جو آپ نے فتح خیبر کے بعد اختیار فرمایا تھا ۔ یہودیوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ انہیں ان زمینوں پر برقرار رہنے دیں جو فتح کے بعد حکومت وقت کی ملکیت میں آگئی ہیں ۔ زمین سے جو پھل اور غلہ پیدا ہوگا وہ اس کا نصف حصہ حکومت کو ادا کرتے رہیں گے ۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک ہماری مرضی ہو اس وقت تک ہم تمہیں اس شرط پر برقرار رکھتے ہیں ۔ چنانچہ کھجوریں دو حصوں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں ۔ امام احمد نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو خیبر کی کھجوریں اور زمینیں دے دی تھیں تاکہ وہ ان میں اپنا مال خرچ کریں اور کام کریں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیداوار کا نصف حصہ ادا کرتے رہیں اس طریقہ پر بہت سے صحابہ کا عمل رہا ۔ چنانچہ وہ اپنی زمینیں دوسرے لوگوں کو تہائی اور چوتھائی پیداوار پر دے دیا کرتے تھے ۔ حضرت عمر نے اپنے عہد میں لوگوں کے ساتھ یوں معاملہ فرمایا کہ اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہو تو اسے پیداوار کا نصف حصہ ملے گا اور اگر بیج بھی کھیتی کرنے والے کا ہو تو نصف پیداوار سے بیج کے بقدر اس کا حصہ بڑھ جائے گا ۔ لیکن بخاری مسلم اور نسائی میں حضرت رافع بن خدیج سے ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے ۔ ۔ ۔ رافع ابن خدیج اکابر صحابہ میں سے ہیں ۔ ۔ ۔ کہ انصار میں سب سے زیادہ ہماری کھیتیاں تھیں اور ہم انہیں کرایہ پر دیا کرتے تھے اور اس طرح معاملہ کیا کرتے تھے کہ زمین کا یہ حصہ ہمارا ہے اور وہ حصہ کام کرنے والے کا ہے ۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ زمین کے اس حصہ پر پیداوار ہوگئی اور اس حصہ پر پیداوار نہیں ہوئی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح پر معاملہ کرنے سے منع فرما دیا ۔ رہ گیا سونا ، چاندی تو اس زمانہ میں سونے چاندی پر زمینیں کرائے پر دینے کا رواج ہی نہیں تھا ۔ دوسری جگہ انہی رافع ابن خدیج کا یہ قول مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے معاملہ سے روک دیا جس میں ہمارے لئے نفع تھا لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہمارے لئے یقیناً زیادہ فائدہ مند ہے ۔ ہمیں آپ نے اس سے منع فرما دیا ہے کہ ہم زمینوں کو کرایہ پر دیں کہ پیداوار کا تہائی یا چوتھائی حصہ ہمارا ہوگا یا اتنا اتنا مقرر غلہ ہم لیں گے ۔ آپ نے زمین کے مالک کو حکم دیا کہ وہ اس میں خود کھیتی کرے یا اسے یونہی چھوڑ دے ۔ نیز تیسری جگہ حضرت رافع بن خدیج کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ وہ ایک زمین پر کھیتی کر رہے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں

Marfat.com

سے گذر ہوا جبکہ وہ اپنے کھیت کو پانی دے رہے تھے ۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ کھیتی کس کی ہے اور زمین کس کی ہے رافع بن خدیج نے عرض کیا کہ میری کھیتی ہے ۔ میرا بیج ہے اور میری خدمت ہے ۔ نصف پیداوار میری ہے اور نصف پیداوار بنو فلاں کی ہے کیونکہ ان کی زمین ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے ان کے ساتھ سود کا معاملہ کیا ہے ۔ زمین اس کے مالکوں کو لوٹا دو اور جو کچھ تم نے اس پر خرچ کیا ہے وہ ان سے وصول کر لو ۔

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس اس کے خلاف حدیثیں موجود تھیں (جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے) لیکن اس کے باوجود جب حضرت رافع ابن خدیج کی یہ حدیثیں امیر معاویہ کی خلافت کے آخری زمانہ میں انہیں پہنچیں تو انہیں اس کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہیں آیا کہ وہ رافع بن خدیج کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے ان احادیث کے متعلق پوچھا ۔ جب رافع ابن خدیج نے یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتیوں کو کرایہ پر دینے سے منع فرما دیا تھا تو ابن عمر کو اس کے سوا کوئی گنجائش نظر نہ آئی کہ وہ اس طریقہ کو چھوڑ دیں چنانچہ ابن عمر فرمایا کرتے تھے ۔ ہم اس وقت تک مزارعت کے معاملہ میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے جب تک میں نے رافع ابن خدیج کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا ہے حضرت جابر سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے اور مخابرہ وہی مزارعت کا معاملہ ہے یا وہ معاملہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ کیا تھا ۔ ابو داؤد نے زید بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت زید بن ثابت سے پوچھا کہ مخابرہ کیا ہوتا ہے تو حضرت زید بن ثابت نے فرمایا کہ مخابرہ اسے کہتے ہیں کہ تم کسی کی زمین اس شرط پر لے لو کہ پیداوار کا نصف تہائی یا چوتھائی زمین کے مالک کو ادا کرو گے ۔ ان احادیث کی بنا پر مکرمۃ مجاہد ، امام مالک ، امام ابو حنیفہ نے مزارعت کے معاملے کو حرام قرار دیا ہے ۔ امام شافعی نے اس زمین میں اس کی اجازت دی ہے جو کھجوروں کے درمیان میں ہو جبکہ کھلی زمین کم ہو اور کھجوروں کے ساتھ مشغول زمین زیادہ ہو لیکن صاف اور کھلی زمین میں اسے ناجائز قرار دیا ہے ۔ اس موضوع کی طرف جب ہم ان حقائق کی روشنی میں غور کرتے ہیں تو یہ نتائج سامنے آتے ہیں ۔

خیبر کے یہودیوں سے معاملہ (۱) یہ بات کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو ان کی زمینوں پر برقرار رکھا تھا مزاعت کا معاملہ کر کے زمین کو کرایہ

Marfat.com

پر دینے کے لئے دلیل نہیں ہو سکتی بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کو زمین کو آباد رکھنے کی انتہائی خواہش تھی کہ آپ نے وہ زمینیں ان لوگوں کے ہاتھوں ہی میں رہنے دیں جو ان سے فائدہ اٹھانے کی اور فائدہ پہنچانے کی صلاحیت اور استعداد رکھتے تھے ۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ آپ کی قوم (مسلمان) اُس وقت زراعتی معاملات میں زیادہ دلچسپی نہیں لے سکتی تھی ۔ اس بنا پر آپ نے یہودیوں کو خیبر میں رہنے دیا اور زمینوں پر انہیں کام کرنے کی اجازت دے دی اور ان کی خواہش کے مطابق اس صورت کو منظور فرما لیا کہ وہ پیداوار کا نصف حصہ مملکت کو ادا کریں گے ۔ چنانچہ آپ نے صاف طور پر فرما دیا تھا کہ ہم تمہیں ان زمینوں پر اس وقت تک برقرار رکھیں گے جب تک ہم چاہیں گے ۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ان کو زمینوں پر برقرار رکھنا مطلقاً نہیں تھا ۔ بلکہ کچھ وقت تک کے لئے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پر موقوف تھا ۔ تاکہ مسلمانوں کے لئے کھیتی باڑی کے معاملات میں وقت دینا ممکن ہو جائے اور وہ مسلسل طور پر زمینوں کو آباد رکھ سکیں ۔ بالفاظ دیگر یہ کہ مسلمان اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کے اعمال سے فراغت پا لیں جس نے ان کے تمام اوقات کو مصروف کر رکھا تھا ۔ خصوصیت کے ساتھ اس لئے بھی کہ حضرت جابر بن ثابت سے صراحت کے ساتھ منقول ہے کہ آپ نے مخابرہ (خیبر جیسا معاملہ کرنا) سے منع فرما دیا تھا ۔

(۲) وہ احادیث جو اہل خیبر کو ان کی زمینوں پر برقرار رکھنے کے بارے میں آئی ہیں وہ یہ نہیں بتاتیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے پیداوار کا نصف حصہ کھیتی سے الگ اور باغات سے الگ وصول فرمایا تھا ۔ بلکہ وہ روایات یہ بتاتی ہیں کہ پیداوار دو حصوں پر تقسیم کر لی جاتی تھی ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے وصول فرماتے تھے وہ زمین کی مزارعت کے طور پر نہیں ہوتا تھا بلکہ کھجوروں کے باغات کی مساقات کے طور پر لیا جاتا تھا ۔ ان کھجوروں کے درختوں کے نیچے جو کھیتی کر لی جاتی تھی اس کی پیداوار کا نصف حصہ بھی تبعاً وصول کیا جاتا تھا ۔ اس کی تائید حضرت ابن عمر کے اس قول سے ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو وہاں کے کھجوروں کے باغات اور وہاں کی زمین دیدی تھی کہ وہ ان میں کام کریں اور اپنا مال خرچ کریں ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے پھل کا نصف حصہ ادا کر دیا کریں ۔ (امام ابو حنیفہ اسے خراج مقاسمہ کا معاملہ قرار دیتے تھے)

Marfat.com

(۳) جو لوگ زراعت کے جواز کے قائل ہیں ان کی دلیل خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے مگر جابر اور زید بن ثابت کی احادیث میں مخابرہ (خیبر جیسا معاملہ کرنے) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت ثابت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو کچھ ضرورتاً خیبر میں کیا تھا اسے خود ہی باطل فرما دیا تھا ۔ خصوصیت کے ساتھ جبکہ زید نے خود اس عمل کی تفسیر بھی کر دی ہے جو خیبر میں گوارہ کیا گیا تھا ۔ (یہ اسلامی حکومت کی طرف سے معاملہ تھا ، خیبر کی زمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ملکیت نہیں تھی بلکہ اسلامی ریاست کی ملکیت تھی)

(۴) جو لوگ مزراعت کے جواز کے قائل ہیں اگر وہ رسُول اللہ کے اس عمل سے کہ آپ نے خیبر میں یہودیوں کو ان کی زمینوں پر برقرار رکھا تھا اور اس سے کہ امیر معاویہ کے عہد میں صحابہ مزراعت کا معاملہ کیا کرتے تھے استدلال کرتے ہیں تو ان کا یہ استدلال رافع ابن خدیج کی حدیثوں کی صحت کو مشتبہ قرار نہیں دے سکتا جبکہ وہ ثقات صحابہ میں سے ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ ابن عمر نے ان کے قول کو سچ جانا اور اس پر یقین کر لیا تھا حتیٰ کہ وہ ان کی حدیثیں سننے کے بعد مزارعت کا معاملہ کرنے سے باز آگئے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "ہم مزارعت میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے مگر ہمیں رافع ابن خدیج کی احادیث سے اس کے خلاف معلوم ہوا ۔

(۵) جو کچھ رافع ابن خدیج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے وہ زمین کی پیداوار کی شکل میں خود زمین کا کرایہ وصول کرنے کی ممانعت میں ایک قاطع حجت اور صریح ارشاد نبوی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر نے اس کے مطابق عمل کرنے میں کوئی تردد محسوس نہیں کیا اور شریعتِ اسلامیہ کے ثابت شدہ اصول و ضوابط میں سے یہ بات ہے کہ اس شخص کی بات جس نے ایک حکم کو یاد رکھا ہو اس شخص پر حجت ہوتی ہے جس نے اسے یاد نہ رکھا ہو ۔

(٦) زمین کو مزراعت کے طور پر اجرت پر دینے میں محنت اور عمل میں اشتراک کے معنے نہیں پائے جاتے بلکہ اکثر اوقات مفاد ہی مفاد حاصل ہوتا ہے کسی قسم کے تاوان یا نقصان کا اندیشہ ہی نہیں ہوتا ۔ بجز اس صورت کے کہ زمین کا مالک زمین میں کھیتی باڑی میں کچھ اپنا مال بھی خرچ کرے ۔ مثلاً بیج کی قیمت اور زمین میں ہل چلانے کی مزدوری ادا کرے یا آلاتِ کشاورزی مہیا کرے وغیرہ تاکہ کام کرنے والے کی

Marfat.com

محنت کے برابر اس کا صرفہ ہو سکے اور پھر زمین کی پیداوار سے اُسے بھی اتنا ہی فائدہ حاصل ہو جتنا تجارت میں تجارتی کاروبار کرنے والے کے ساتھ تجارت کے لئے سرمایہ لگانے والے کو ہوتا ہے ۔ بعینہٖ یہی حال ان زمینوں کا ہے جن پر کرایہ کمانے کے لئے عمارتیں بنائی جاتی ہیں ۔ کیونکہ مالک اس پر تعمیر وغیرہ بنانے میں پہلے اپنا مال خرچ کرتا اور اس زمین کو آباد کرتا ہے جس کا وہ کرایہ کی صورت میں جتنا کچھ اللہ تعالی نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے وصول کرتا ہے جو کرایہ دار کو اس عمارت میں بسانے کے مقابلہ میں حاصل ہوتا ہے جسے مالک نے بنایا اور کھڑا کیا تھا ۔ وہ اس کی حفاظت ۔ مرمت ۔ دیکھ بھال اور بربادی سے حفاظت پر بھی برابر رقم خرچ کرتا رہتا ہے اگرچہ یہ اخراجات طویل مدت کے بعد ہی کرنے ہوتے ہوں ۔ یہاں یہ صورت ہوتی ہے کہ یہ کرایہ کی وصولیابی اس وقت ختم ہو جاتی ہے اور کرایہ دار مالک مکان کو کرایہ دینا بند کر دیتا ہے جب عمارت خراب ہو جائے یا سکونت کے ناقابل ہو جائے ۔ رہ گئی زمین تو وہ تمام نوع انسانی کی مشترکہ ملکیت ہے ۔ وہ اسی کی ملکیت ہوتی ہے جو اُسے آباد کرے ۔ اگر زمین کی کوئی قیمت ادا کی جاتی ہے تو اس میں قطعاً کوئی بھلائی نہیں ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کو ہر چیز میں جس پر وہ کچھ خرچ کرتا ہے اجر ملتا ہے مگر اس میں کوئی اجر نہیں ملتا جو آدمی اس مٹی میں خرچ کر دیتا ہے ۔

(۷) اگر ہم زمین کو ایک ملکیت تسلیم کر کے کہنے لگیں کہ مالک کو اس کا کیوں حق نہیں ہوتا کہ وہ اپنی زمین کو وہی حیثیت دے جو تجارت میں سرمایہ کی ہوتی ہے کہ وہاں ایک آدمی کا سرمایہ ہوتا ہے اور دوسرا آدمی کام کرتا ہے ۔ ایسے ہی یہاں ایک آدمی کی زمین ہوتی ہے اور دوسرے آدمی کی محنت ہوتی ہے ۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دونوں حالتوں میں بڑا فرق ہے ۔ سرمایہ جو تجارت میں لگایا جاتا ہے کبھی اس سے نفع کمایا جاتا ہے اور کبھی وہ ختم ہو جاتا ہے ۔ اس صورت میں جہاں کام کرنے والے کی محنت ضائع ہوتی ہے وہاں سرمایہ لگانے والے کا سرمایہ بھی ضائع ہو جاتا ہے ۔ برخلاف زراعت کے کہ یہاں تو اگر کوئی چیز ضائع جاتی ہے تو وہ محنت کرنے والے کی محنت ہی ضائع جاتی ہے ۔ رہ گئی زمین جسے سرمایہ کی جگہ پر رکھا گیا تھا وہ بہر حال باقی رہتی ہے اور زمین کے مالک پر نقصان کا کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ زراعت کی صورت مضاربت کی صورت نہیں ہوتی بلکہ یہ صورت تو سود پر روپیہ قرض لینے سے زیادہ

Marfat.com

مشابہ اور اس پر زیادہ منطبق ہے ۔ کیونکہ قرض دینے والا اپنا سرمایہ تاجر کو اس شرط پر دیتا ہے کہ وہ اسے اس قدر ادا کرتا رہے ۔ وہ منافع کا کوئی ایسا معین حصہ نہیں ہوتا کہ جس قدر اسے ادا کرتا رہے اس مقدار کے بقدر اس کے اصل سرمایہ میں سے منہا ہوتا رہے ۔ اسے ہر حال میں سود ملتا رہتا ہے خواہ تاجر کے خسارے اور نقصانات انتہائی حدود تک بھی کیوں نہ پہنچ جائیں ۔ اس کی تصریح خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرما دی تھی جب آپ رافع بن خدیج کے کھیت پر سے گذرے تھے اور انہیں کھیت میں پانی دیتے ہوئے دیکھا تھا ۔ اور رافع بن خدیج نے آپ کو بتایا تھا کہ کھیت میرا ہے ۔ بیج میرا ہے ۔ اور کام میرا ہے اور پیداوار کا نصف حصہ مجھے ملے گا اور نصف حصہ بنو فلاں کو ملے گا جن کی وہ زمین تھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم نے یہ سود کا کاروبار کیا ہے ۔ زمین اس کے مالکوں کو لوٹا دو اور جو کچھ تم نے اس پر خرچ کیا ہے وہ ان سے واپس لے لو ۔ اس کے جواز کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ زمین کا مالک اس کی کھیتی میں برابر کا شریک ہو ۔ اور اس کے اخراجات کھیتی کرنے والے کی اجرت کے برابر ہو رہے ہوں یا اگر کم ہو رہے ہوں تو پیداوار کی تقسیم اسی نسبت سے کی جائے جس نسبت سے مالک زمین کے اخراجات اور کھیتی کرنے والے کی اجرت متقاضی ہے ۔

(۸) زمانے نے ثابت کر دیا اور تجربات نے بتا دیا ہے کہ زراعت کے طور پر زمین کو اجرت پر دینے سے زمین کے مالکوں میں کام کرنے اور محنت کرنے سے جی کا سل پیدا ہو جاتا ہے ۔ وہ خود کوئی کام نہیں کر سکتے ۔ اس طرح انہوں نے اپنے نفسوں کو ان اموال اور کثیر برکات سے محروم کر لیا ہے جو کھیتی کرنے والے لوگوں کو زراعت عطا کرتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہمارے ہاں ایک طبقہ ایسا پیدا ہوگیا ہے جو خود کچھ کام نہیں کرتا ۔ اور دوسرے لوگوں کی محنت و مشقت پر اپنی زندگی بسر کرتا ہے ۔ شاید بعض حکماء نے جو کہا ہے کہ دنیا میں کام کرنے والے طبقے صرف تین ہیں ۔ (۱) تاجر جو اپنے سرمایہ میں تجارت کرتا ہے ۔ (۲) کھیتی کرنے والا جو اپنی زمین میں کھیتی کرتا ہے ۔ (۳) کاریگر جو اپنے کارخانہ میں کام کرتا ہے ۔ باقی جو لوگ ان کے سوا ہیں وہ سب ان تینوں پر لبلاب کے درخت کی طرح بوجھ ہیں ۔ تو غالباً معین طور پر وہ باقی لوگ اسی طبقہ کے آدمی ہیں ۔

(۹) اس موضوع پر قول فیصل وہ واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

حضرت بلال کو وادی عقیق بطور جاگیر کے عطا فرمائی ۔ حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے حضرت بلال پر اس جاگیر کے بارے میں اعتراض کیا کیونکہ وہ اس وادی میں کھیتی کرنے اور اس سے استفادہ کرنے سے عاجز ہوگئے تھے ۔ اس پر حضرت بلال نے حضرت عمر سے کہا کہ کیا آپ مجھ سے وہ چیز واپس لینا چاہتے ہیں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی ؟ اس کے جواب میں حضرت عمر نے فرمایا کہ ہاں مجھے عنقریب ایسا ہی کرنا پڑے گا کیونکہ تم اس زمین کو آباد رکھنے اور اس کی خبر گیری کرنے سے عاجز ہو جو تم پر واجب تھی اور مسلمانوں کو اس زمین کی سخت ضرورت ہو ۔ لہذا تم اس زمین میں سے اتنی زمین رکھ لو جس سے تم پھل حاصل کر سکو اور باقی زمین دوسروں کے لئے چھوڑ دو ۔ چنانچہ عملاً ایسا ہی ہوا ۔

Marfat.com

پانچواں باب

حرمتِ سود اور اس کے جواز کے حیلے

بٹائی کے بارے میں تمام احادیث کو نقل کر دینے سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ سود کی حرمت کے بارے میں شریعت اسلامی کے احکامات کی ایک جھلک قارئین کے سامنے پیش کر دی جائے پچھلے ابواب میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ کرایہ چاہے مکان کا ہو یا زمین کا وہ سود کی تعریف میں آتا ہے ۔ "اور اس کی وضاحت" خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی ہے ۔ آپ کی یہ وضاحت جدید علمی تحقیق کے مطابق ہے ۔ جس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پرانے زمانے میں سود کی سب سے بڑی صورت یہی زمین و مکان کا کرایہ تھا ۔ اس زمانے میں بینکوں کا رواج نہیں تھا اسلئے بینکوں سے دینے جانے والے سود کا کہیں ذکر نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان واضح ارشادات کے باوجود ہمارے علماء کا ایک طبقہ زمین اور مکان کے کرانے کو جائز سمجھتا ہے اور ان کے خیال کے مطابق سود کا عمل دخل صرف بینکوں تک محدود ہے ایسے سود کو معاشیات کی اصطلاح میں یویشری (USUARY) کہتے ہیں یعنی نقد رقم پر مقررہ منافع دینا ۔

ان کے اس فیصلے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرہ پر اس وقت سرمایہ داری نظام کا غلبہ ہے ۔ جس کی بنیاد سود پر ہے ۔ اس غلبے کی وجہ سے ہمارے ہاں پہلے سود کی ان صورتوں کو جائز قرار دیا گیا جو مالِ یعنی مکان و زمین کے کرانے کی صورت میں حاصل ہوتا تھا اور اب اس آخری صورت کو بھی انہوں نے جائز قرار دے کر معاملہ ہی ختم کر دیا ہے ۔ کیونکہ اب سود کی کوئی ایسی قسم باقی نہیں رہ گئی جسے حرام قرار دیا جائے ۔ اس کی تفصیلات آئندہ سطور میں بیان ہونگی ۔ پہلے سود کے بارے میں شریعت اسلامی کے احکامات پر ایک نظر ڈال لی جائے ۔

سود کی تعریف

فقہائے کرام نے اس معاملے کی جو تعریف کی ہے ۔ ان کے مطابق لغت میں

Marfat.com

ربٰوا کے معنی بڑھو تری کے ہیں اور قرآن مجید کی جس آیت میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے تو اس سے مراد وہ بڑھو تری ہے کہ جس کے مقابلے میں کوئی بدل نہ ہو

(احکام القران تالیف ابن العربی جلد اول صفحہ ۲۴۲)

ربٰوا کے معاملے کا نام ربٰوا اس لئے رکھا گیا کہ بظاہر اس معاملے میں سرمایہ دار کے سرمائے میں اضافہ ہوتا ہے ۔ لیکن اللہ تعالی نے ان لوگوں کی غلط فہمی دور کی کہ یہ تمہاری خام خیالی ہے ۔ اس سے مال بڑھتا نہیں بلکہ الٹا اس سے معاشرے میں معاشی پریشانیاں پیدا ہوتی ہیں ارشاد ہے :۔

وما اتیم من ربا لِیَرْبوا فی اموال الناس فلا یربوا عنداللہ ۔ (سورۃ الروم ۳۹)

(ترجمہ) اور جو سود تم نے دیا کہ اس سے لوگوں کے اموال بڑھیں تو اللہ تعالی کے نزدیک اس سے مال نہیں بڑھتا"۔

اہل عرب الرّبٰوا کو بیع کی ایک قسم ہی سمجھتے تھے ۔ جس طرح کہ آج کل ہمارے معاشرے میں اسے سمجھا جا رہا ہے ۔ لیکن قرآن مجید نے اس بارے میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ 'بیع' یعنی کاروبار تجارت کے ذریعے ، راس المال میں جو زیادتی ہوتی ہے وہ اس زیادتی سے مختلف ہوتی ہے ۔ پہلی قسم کی زیادتی حلال ہے جبکہ دوسری قسم کی زیادتی مطلقاً حرام ہے ۔ اس بارے میں ارشاد ہوا:۔

ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربٰوا واحل اللہ البیع وحرم الربٰوا ۔ (البقرہ ۔ ۳۸)

(ترجمہ) سود خوروں کا یہ حشر اس لئے ہوگا کہ انہوں نے کہا کہ تجارت کا معاملہ بھی ربٰوا کے معاملے کی طرح ہے ، حالانکہ اللہ تعالی نے تجارت کو حلال اور ربٰوا کو حرام قرار دیا ہے ۔

سود اور تجارت

بیع کا اطلاق جس معاملے پر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تاجر ایک چیز کو فروخت کے لئے پیش کرتا ہے ۔ تاجر اور خریدار کے درمیان اس چیز کی ایک قیمت قرار پاتی ہے اور اس قیمت کے معاوضے میں خریدار اس چیز کو لیتا ہے ۔ یہ معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا ۔ یا تو تاجر نے وہ چیز خود محنت کر کے اور اپنا مال صرف کر کے پیدا کی ہے ، یا وہ اسے کسی دوسرے تاجر سے خرید کر لایا ہے ۔ دونوں صورتوں میں وہ اپنے راس المال

Marfat.com

پر جو اس نے اس چیز کے خریدنے یا مہیا کرنے میں صرف کیا تھا اپنی محنت کے معاوضے کا اضافہ کرتا ہے ۔ اور یہی اس کا منافع ہوتا ہے ۔ خریدار کو بھی ایک معلوم چیز مل جاتی ہے ۔ جس سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے ۔ اس کے برعکس ربٰوا ایسا معاملہ ہے کہ جس میں کوئی بھی سرمایہ دار ، اپنا سرمایہ دوسرے ضرورت مند شخص کو دیتا ہے اور شرط یہ کر لیتا ہے کہ اسے اتنے عرصے کے لئے اس سرمائے پر اتنی رقم زائد دینی ہوگی ۔ اس معاملے میں سرمائے کے مقابلے میں سرمایہ ہے اور ضرورت مند شخص کو جو مہلت دی گئی ہے اور اس مہلت کے معاوضے کی رقم کا پہلے سے تعین کر لیا گیا ہے تو وہ سود یا ربٰوا ہے ۔ یہ کسی خاص مال یا چیز کا معاوضہ نہیں ہوتا بلکہ محض مہلت کا معاوضہ ہوتا ہے ۔ سرمایہ دار کو اس کام کیلئے کوئی محنت نہیں کرنی ہوتی ۔ بس وہ اپنے سرمائے کو مہلت پر دیکر اس کا منافع حاصل کرتا ہے ۔ مختصر الفاظ میں سرمائے پر جو زائد رقم مدت کے مقابلے میں شرط اور تعین کے ساتھ لی جائے وہ سود ہے کیونکہ وہ سرمایہ پر بغیر محنت کے اضافہ ہے ۔ سرمائے پر اضافہ ، اس اضافے کا تعین مدت کے لحاظ سے کیا جانا اور قرض میں اُس کا مشروط ہونا ، یہ تین اجزائے ترکیبی ہیں ، جن سے سود بنتا ہے ۔ اس معاملے میں محنت و تجارت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ۔

مولانا مودودی صاحب نے سود کی حرمت کے بارے میں جو عقلی دلائل دیئے ہیں ۔ ان سے اس معاملے کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے ۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"تجارت اور صنعت و حرفت اور زراعت میں انسان محنت اور ذہانت صرف کرتا ہے اور اس کا فائدہ لیتا ہے ، مگر سودی کاروبار میں وہ محض اپنا ضرورت سے زائد مال دے کر ، بلاکسی محنت و مشقت اور صرف کمال کے دوسروں کی کمائی میں شریک غالب بن جاتا ہے ۔ اس کی حیثیت اصطلاحی شریک کی نہیں ہوتی ، جو نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے اور نفع میں جس کی شرکت نفع کے متناسب سے ہوتی ہے ۔ بلکہ وہ ایسا شریک ہوتا ہے جو بلا لحاظ نفع و نقصان اور بلا لحاظ متناسب نفع اپنے مقرر اور مشروط منافع کا دعوے دار ہوتا ہے" (سود حصہ اول طبع سوم صفحہ ۳۰)

سود کی حرمت کا سخت حکم

سود ہمیشہ محروم انسانوں کے استحصال کا ایک بہت بڑا ذریعہ رہا ہے یہ سرمایہ داروں

Marfat.com

میں زر پرستی کی صفات پیدا کرتا ہے جس کے نتیجے میں یہ لوگ خود غرض اور بے رحم بن جاتے ہیں ۔ وہ ہر طرح سے روپیہ اکھٹا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ روپیہ محنت ہی سے کمایا جاتا ہے تو اس طرح دوسروں کی محنت کا استحصال کیا جاتا ہے ۔ سرمایہ دار ، ضرورت مند سے ہمدردی کرنے کی بجائے ، اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے ۔ اور اس طرح ان مجبور لوگوں کی محنت کی کمائی سرمایہ دار طبقے کے پاس اکھٹا ہوتی جاتی ہے ۔ اس سے دولت کی آزادانہ گردش رک جاتی ہے ۔ بلکہ سرمایہ دار ، دولت کی گردش کا رخ اُلٹ کر ضرورت مندوں سے سرمایہ داروں کی طرف پھیر دیتا ہے اس طرح معاشرے میں دو طبقات پیدا ہو جاتے ہیں ۔ ایک محروم لوگوں کا طبقہ جس کی معاشرے میں اکثریت ہوتی ہے اور دوسرا سرمایہ داروں کا طبقہ ۔ ہمارے ملک میں اس وقت چونکہ عملاً سرمایہ دارانہ نظام نافذ ہے ۔ اسلئے اہل وطن انہی دو طبقات میں بٹ چکے ہیں محروم طبقے جو سارا سال محنت کرتے ہیں وہ اپنا سر چھپانے اور پیٹ بھرنے کے قابل نہیں رہے ۔ جبکہ سرمایہ دار طبقہ ، ان کی محنت کا استحصال کر کے عیش کر رہا ہے ۔ اس نے ہمارے معاشرے کا نظام درہم برہم کر دیا ہے ۔ سود کے یہی اثراتِ بد تھے کہ جس کی بنا پر اسے انسانیت کے خلاف سنگین ترین جرم قرار دیا گیا اور اس بارے میں یہ حکم نازل کیا گیا :۔

اتقو اللہ وذروا مابقی من الربوا ان کنتم مومنین ۔ فان لم تفعلوا فاذ نوا بحرب من اللہ ورسولہ ۔ (سورۃ البقرہ ۲۷۹)

(ترجمہ) اللہ تعالی سے ڈرو اور لوگوں پر تمہارا جو سود باقی ہے ، اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان رکھتے ہو ۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالی اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان قبول کرو ۔

قرآن میں اور بھی بہت سے گناہوں کی ممانعت کا حکم آیا ہے لیکن جو سخت الفاظ اس جرم کے لئے استعمال کئے گئے ہیں وہ قتل کے جرم تک کے لئے استعمال نہیں کئے گئے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں سے جو معاہدے کئے تو انہیں سؤر کا گوشت اور شراب سرِ عام فروخت کرنے کی اجازت دے دے ۔ لیکن انہیں سودی کاروبار کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا ۔ خود صحابہ کرام اس بارے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے اور جن معاملات میں سود کا معمولی سا شبہ بھی پایا جاتا تھا وہ اسے ترک کر دیتے تھے ۔ اس بارے میں حضرت عمر نے یہ حکم جاری کر رکھا تھا :۔

Marfat.com

ان اخر ما نزل من القرآن ایۃ الربا وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض ولم یفسر حالنا ، فدعوا الربوا والریبۃ (کنز الا/ عمال جلد دوم ص ۲۳۱ نمبر ۹۵۴ مطبوعہ حیدر آباد دکن)

(ترجمہ) ربوا کی آیت قرآن مجید کی آخری نازل ہونے والی آیات میں سے ہے ۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور آپ نے اس معاملے کی مفصل تفسیر نہیں فرمائی اسلئے تم ربوا کو بھی ترک کر دو اور ایسے معاملات جن میں ربوا کا معمولی سا شبہ ہو اس سے بھی بچو ۔

لیکن ہمارا طرز عمل مختلف ہے ۔ ربوا کے شبہ والی چیزیں تو ایک طرف ۔ ہم نے ان معاملات کو بھی اپنے لئے حلال قرار دے دیا ہے ۔ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک سے سود قرار دے گئے تھے ۔ یعنی زمین و مکان کا کرایہ ۔ اور اس معاملے کی جو تعریف بھی کی جائے یہ معاملہ اس کے ذیل میں آتا ہے ۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ان معاملات کو جائز قرار دینے والوں نے خود سود کی جو تعریف بیان کی ہے ۔ زمین و مکان کے کرائے کے معاملے پر اس کا انطباق ہوتا ہے ۔ مودودی صاحب کے وہ الفاظ سامنے لائیے جس میں آپ نے سود کی تعریف بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ سودی کاروبار میں ، سرمایہ دار محض اپنا ضرورت سے زائد مال دے کر ، بلا کسی محنت و مشقت اور صرف کمال کے دوسروں کی کمائی میں شریک غالب بن جاتا ہے (سود حصہ اول ص ۳۷) کیا مکان اور زمین کے کرائے کے معاملات پر انکی یہ تعریف ٹھیک ٹھیک منطبق نہیں ہوتی ۔ مودودی صاحب نے یہاں مال کے لفظ استعمال کئے ہیں اور مال سے مراد صرف نقد رقم ہی نہیں ہوتی بلکہ زمین اور مکان بھی مال شمار ہوتے ہیں ۔ لیکن حیرت کی بات ہے ۔ کہ اپنی اس تعریف کے برعکس ، انہوں نے زمین کے کرائے کے جواز کے فتویٰ دیئے ۔ اور انہوں نے اور ان جیسے دوسرے علماء نے سود کی حرمت کے معاملے کو بینک کے سود یا نقدی پر ملنے والے منافع تک محدود کر دیا لیکن چونکہ انہوں نے یہ سب کچھ ہمارے معاشرے پر سرمایہ دارانہ نظام کے غلبے کی وجہ سے کیا ۔ اسلئے یہ معاملہ صرف یہاں تک نہ رک سکا بلکہ بعض دوسرے علماء نے بینک کے سود کو بھی جائز قرار دے دیا ہے ۔

سود کے جواز کا حیلہ

یہ جواز کا فتوی حال ہی میں ایک عالم دین ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری صاحب نے

Marfat.com

دیا ہے ۔ بلکہ اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک خصوصی کتاب تحریر فرمائی ہے ۔ اپنے اس فتوی میں فرماتے ہیں :۔ "کہ مذکورہ بلا اصول کے تحت مولانا شاہ احمد رضا خان فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دس روپے کا نوٹ دوسرے شخص کو سال بھر کے وعدے پر بارہ روپے میں بیچ دے تو جائز ہے ، جب کہ دونوں حقیقۃً بیع کا ارادہ کریں نہ کہ قرض کا ۔ کیونکہ بیع جائز ہے ۔ قیمت میں کمی بیشی بھی جائز ہے ۔ اور اگر ادائیگی قسط وار ہو تو وہ بھی جائز ہے ۔ کیونکہ قسط بندی بھی محض مدت کی تعین ہے اور کچھ نہیں ۔ مولانا ارشاد حسین محدّث راجپوری کا بھی یہی فتوی ہے ۔ آپ فرماتے ہیں خرید و فروخت نوٹ مذکور کی زیادہ یا کم پر جائز ہے ۔ اس واسطے کہ حکام نے اس کو مال قرار دیا ہے ۔ اور جو شئی اصطلاح قوم میں مال قرار دی جائے خواہ فی اصلہ اس میں ثمنیت اور مالیت ثابت نہ ہو ۔ لیکن فقط قوم کے قرار دینے سے ثمنیت اور مالیت اس میں ثابت ہو جاتی ہے اور کم و بیش پر اس کی خرید و فروخت جائز ہو جاتی ہے ۔ پس جب کہ نوٹ مذکور میں کہ کاغذ ہے مالیت ثابت ہوئی تو اس کی بھی خرید و فروخت ساتھ کمی اور بیشی کے جائز ہے" ، اور ردالحتار باب العینی میں ہے کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے میں خریدا تو یہ بھی بلا کراہت جائز ہے"

(بلا سود بینکاری از پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری ۔ ص ۱۰۰ ، ۱۰۱)

پچھلے صفحات میں بتایا جا چکا ہے ۔ کہ شریعت اسلامی میں سود سب سے بڑا گناہ اور سب سے بڑا جرم ہے ۔ قرآن مجید میں اس کے بارے میں جو شدید احکامات آئے ہیں وہ کسی دوسرے جرم حتی کہ قتل کے بارے میں بھی نہیں آئے ۔ اور یہ کیوں شدید جرم قرار دیا گیا ہے اس کی تفصیل بھی بیان کی جا چکی ہے کہ وہ معاشرے کے کمزور طبقے کا استحصال کر کے ، معاشرے کا سکون برباد کر دیتا ہے ۔ اسلئے صحابہ کرام اس بارے میں ایسے معاملات سے بھی بچتے تھے جن میں انہیں سود کا معمولی سا شائبہ بھی دکھائی دیتا ۔ لیکن ہماری جرأت ملاحظہ ہو کہ پہلے ہم نے سود کی ان اقسام کو جائز قرار دیا جنہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک سے سود قرار دیے گئے تھے یعنی زمین و مکان کا کرایہ اور سود کی حرمت کو نقد روپے کے منافع یا بینک کے سود تک محدود کر دیا گیا اور اب اسے بھی جائز قرار دے دیا گیا ہے ۔ معلوم نہیں کہ اب کون سا سودی معاملہ باقی رہ گیا ہے ۔ کہ جسے حرام قرار دیا جا سکے ۔ جن حضرات نے بینک کے سود کہ اس کے حرام ہونے پر امت مسلمہ کے تمام علماء کا اتفاق تھا ، جائز قرار دے دیا ہے تو ان

Marfat.com

سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے ۔ کہ وہ مکانات اور زمین کے کرائے کے سود ہونے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو تسلیم کریں گے ۔ جب تک ہمارے معاشرہ سے سرمایہ داری نظام ختم نہیں ہوتا اس وقت تک اس قسم کے فتوے جاری ہوتے رہینگے ۔ اس وقت ہمارے معاشرے میں زمین کی ملکیت ، سرمایہ داری کی سب سے بڑی صورت ہے ۔ جب تک اس سرمایہ داری کو شریعت اسلامی کی تعلیمات کی روشنی میں ختم نہیں کیا جائیگا اس وقت تک سود کے بارے میں اسلامی احکامات کا نفاذ نا ممکن دکھائی دیتا ہے ۔ اب اس بارے میں ان احادیث کی حقیقت ملاحظہ کریں کہ جن کے حوالے سے ہمارے معاشرے میں زمین کی ملکیت اور اس کو کرائے پر دینے کا جواز مہیا کیا گیا ہے ۔

Marfat.com

Marfat.com

چھٹا باب

کرایہ زمین کی شرعی حیثیت کے بارے میں متضاد احادیث کا جائزہ

پچھلے ابواب میں کرایہ زمین کے بارے میں تقریباً تمام احادیث پیش کی جا چکی ہیں ۔ اس باب میں انہیں علیحدہ پیش کیا جا رہا ہے ان احادیث کے تضاد کا جائزہ ایک بہت بڑے عالم دین مولانا محمد طاسین صاحب نے لیا ہے ۔ آپ مولانا محمد یوسف بنوری کے داماد اور مجلس علمی کراچی کے ناظم ہیں ۔ اور آپ کا شمار ملک کے جید علمائے کرام میں ہوتا ہے اور راقم انہیں اپنے اساتذہ میں شمار کرتا ہے ۔ (مؤلف)

مزارعت کی شرعی حیثیت کیا ہے ، یہ معاملہ شریعت اسلامیہ کی رو سے بنیادی طور پر ایک جائز اور مشروع معاملہ ہے یا ناجائز اور ممنوع معاملہ ؟ زیر نظر مضمون کا مقصد ، اسی مسئلہ سے بحث کرنا اور علمی و تحقیقی انداز سے اس کے مالھا و ماعلیھا کو نکھارنا اور سامنے لانا ہے ۔

مباحث کی ترتیب یہ رہے گی : مزارعت کی لغوی تحقیق ، مزارعت کی عرفی حقیقت ، مزارعت کی فقہی تعریف ، مزارعت کی شرعی حیثیت قرآن حکیم کی روشنی میں ، احادیث نبویہ کی روشنی میں ، آثار صاحبہ و تابعین کی روشنی میں ، آئمہ مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں علمی و قیاسی دلائل کی روشنی میں اور آخر میں مزارعت اپنے عملی اثرات و نتائج کی روشنی میں ۔

چونکہ یہ مسئلہ صدیوں سے ایک نزاعی و اختلافی مسئلہ بنا ہوا ہے اور اس پر موافق و مخالف بہت کچھ لکھا جا چکا ہے ، متفرق مضامین کی شکل میں بھی اور مستقل کتابوں اور کتابچوں کی شکل میں بھی ، لہذا میری یہ کوشش ہوگی کہ بحث اس انداز سے کی جائے کہ اختلاف دور ہو سکے اور حقیقت حال زیادہ سے زیادہ واضح ہو کر سامنے آئے ، بنابریں اس مضمون کا طویل ہو جانا ایک لازمی امر ہے ، امید کہ قارئین کرام صبر و تحمل سے کام لیں گے اور پورے مضمون کو پڑھنے کے بعد کوئی رائے قائم فرمائیں گے !

مزارعت کی لغوی تحقیق :

لفظ مزارعت ، ثلاثی مزیدفیہ کے باب مفاعلہ کا مصدر ہے اور اس کا مادۂ مجرد یا زراعت ہے جس کے معنی زمین کو بونے اور کاشت کرنے کے ہیں یعنی کاشت کاری ، یا زرع ہے جو تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے : اول انبات بمعنیٰ اگانا ، دوم طرح البذر فی الارض ، بمعنیٰ زمین میں تخم ریزی کرنا اور بیج ڈالنا ، سوم نبات کل شئی بمعنی ، ہر شے کی اگی ہوئی کھیتی ، چنانچہ جب لفظ زرع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس وقت پہلا معنیٰ مراد ہوتا ہے یعنی اگانا ، کیونکہ کسی شے کو اگانا صرف اللہ تعالی کا فعل ہے ، اور جب اس کی نسبت انسان کی طرف ہو تو دوسرا معنیٰ مراد ہوتا ہے یعنی تخم ریزی کرنا اور بیج ڈالنا ، کیونکہ یہ کام انسان ہی کرتا ہے ، اور جب اس کی جمع زروع ہو تو اس سے مراد تیسرا معنی ہوتا ہے یعنی اگی ہوئی کھیتی ، کیونکہ وہ مختلف اور متعدد چیزوں کی ہوتی ہے مثلاً گیہوں کی ، جو کی اور دہان وغیرہ کی کھیتی ، پھر غور سے دیکھا جائے تو ان تین معنوں کے درمیان سبب و مسبب کا تعلق ہے اور ایک کے سبب سے دوسرا وجود میں آتا ہے مثلاً تخم ریزی سبب ہے کھیتی اگنے کا ، اسی طرح اللہ تعالی کا فعل اگانا سبب ہے نباتات کے پیدا ہونے کا ، پھر چونکہ باب مفاعلۃ کی خاصیت ، مشارکت ہے لہذا مزارعت کے معنے ہوئے زراعت یا زرع میں دو شخصیتوں کا شرکت کرنا اور شریک ہونا ، اور ظاہر ہے کہ مالک زمین اور کاشت کار کے درمیان جو معاملہ طے پاتا ہے وہ زراعت میں اشتراک کا معاملہ ہوتا ہے ۔

عربی زبان میں مزارعت کے مترادف اور ہم معنی الفاظ چند اور بھی ہیں جیسے مخابرۃ ، الخبر ، محاقلۃ ، مؤاکرہ اور القراح لیکن مخابرہ ان میں سے زیادہ معروف اور کثیرالاستعمال ہے بلکہ مدینہ میں مزاعت کی بجائے مخابرۃ کا استعمال عام تھا ، یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے اس کو لغت اہل مدینہ لکھا ہے ، لہذا مناسب ہے کہ لفظ مخابرہ اور محاقلہ کی بھی کچھ تشریح پیش کی جائے کیونکہ احادیث نبویہ میں یہ دونوں لفظ زیادہ استعمال ہوئے ہیں ۔

مخابرہ کی تشریح :

مخابرہ بھی مزارعت کی طرح باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کا مادۂ مجرد یا خیبر ہے جس کے معنی کھیتی اور کاشتکاری کے ہیں ، یا خبرۃ ہے جس کے معنے حصہ و بخرہ ہیں ، یا خبار

Marfat.com

بمعنے نرم زمین ہے ، یا الخبر بمعنے اگی ہوئی کھیتی ہے ، غور سے دیکھا جائے تو یہ سبب معنے اس معاملہ میں مشارکت کے ساتھ پائے جاتے ہیں جو مالک زمین اور کاشت کار کے مابین طے پاتا ہے ، اکثر علماء عربیت کے نزدیک مزارعت اور مخابرت میں کچھ فرق نہیں دونوں ہر لحاظ سے ایک ہیں البتہ بعض کے نزدیک صرف اتنا فرق ہے کہ اگر تخم مالک زمین کی طرف سے ہو تو مخابرت ورنہ مزارعت ہے ، بعض اہل لغت سے یہ بھی منقول ہے کہ مخابرت نام ہے اس معاملہ کا جو فتح خیبر کے بعد مسلمانوں اور یہود خیبر کے درمیان طے پایا تھا ، اس قول کے مطابق مخابرت ، لفظ خیبر سے مشتق ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے ۔

محاقلہ بھی باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کا اصل مادہ حقل بمعنے سرسبز کھیتی ہے یا حقل بمعنے کھیت اور زرعی زمین ہے ، جو معاملہ مالک زمین اور کاشتکار کے درمیان پیداوار کے حصول پر طے پاتا ہے چونکہ اس کی بنیاد کھیت اور کھیتی پر ہوتی ہے ، لہذا اس کو محاقلت سے تعبیر کرنا حقیقت حال کی صحیح تعبیر ہے ، محاقلت کے مصداق کے متعلق ائمہ لغت کے درمیان اختلاف ہے بعض کے نزدیک جو معاملہ مزارعت کا مصداق ہے وہی محاقلت کا بھی مصداق ہے لہذا دونوں مترادف ہیں ، یہی قول آئمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا ہے جیسا کہ المبسوط للسرخسی (ص ١٠ - ج ٢٣) اور بعض کے نزدیک محاقلت عام اور مزارعت خاص ہے ۔ محاقلت کا اطلاق جس طرح مزارعت پر ہوتا ہے اس طرح تین دوسرے معاملات پر بھی ہوتا ہے ، ایک یہ کہ گیہوں کو زمین کے بدلے کرائے پر لینا دینا ، دوم یہ کہ پکنے اور تیار ہونے سے پہلے کھیتی کو فروخت کر دینا ، سوم یہ کہ جو گیہوں بالی اور خوشے کے اندر ہوں ان کو صاف گیہوں کے عوض اندازے سے بیچ ڈالنا ، بعض احادیث سے بھی محاقلت کے یہ معنے مفہوم ہوتے ہیں ۔

مزارعت کی عرضی حقیقت

ظہور اسلام کے وقت نہ صرف یہ کہ عرب میں بلکہ پوری دنیا میں مزارعت کا عام رواج تھا لہذا ہر جگہ یہ معاملہ متعارف اور جانا پہچانا تھا ، عملی طور پر گو اس کی مختلف شکلیں تھیں لیکن سب میں ایک چیز قدر مشترک تھی وہ یہ کہ مالک زمین بغیر کسی محنت و مشقت کے پیداوار کے ایک حصے کا حقدار قرار پاتا تھا اور یہ حصہ مختلف حالات میں مختلف ہوتا تھا ، بعض حالات میں کاشتکار کے حصہ کے برابر بعض میں اس سے کم اور

Marfat.com

بعض میں اس سے زیادہ اس کمی و زیادتی کی وجہ یہ تھی کہ یہ معاملہ مختلف شکلوں میں طے پاتا تھا مثلاً ایک شکل یہ کہ مالک زمین کی طرف سے صرف زمین ہوتی تھی اور باقی تمام چیزیں جیسے بیج ، کھاد ، ہل ، بیل اور محنت کاشتکار کی طرف سے ہوتی تھیں ، دوسری شکل یہ کہ کاشتکار کی طرف سے صرف محنت و مشقت ہوتی تھی اور باقی سب اشیاء مالک زمین کی طرف سے ہوتی تھیں ، تیسری شکل یہ کہ مالک زمین کی طرف سے زمین اور بیج اور دیگر تمام اشیاء کسان کی طرف سے ہوتی تھیں ، چوتھی شکل یہ کہ زمین اور بیل مالک کی طرف سے اور بقیہ تمام چیزیں کاشتکار کے ذمہ ہوتی تھیں ، لہذا ضروری تھا کہ ان مختلف شکلوں میں مقررہ حصوں کا تناسب مختلف ہو ، چنانچہ دوسرے ممالک کی طرح عرب میں بھی یہ معاملہ مختلف شکلوں میں رائج تھا روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض شکلوں میں پیداوار کا نصف حصہ مالک زمین کا اور نصف حصہ کاشتکار کا ہوتا تھا اور بعض میں ایک کا ایک تہائی اور دوسرے کا دو تہائی ، بعض میں ایک کا ایک چوتھائی اور دوسرے کا تین چوتھائی ہوتا تھا اور کچھ شکلیں ایسی بھی تھیں کہ مالک زمین کے ایک اچھے حصے کی پیداوار اپنے لئے مخصوص کر لیتا تھا یعنی اس خاص حصے میں جو کچھ پیدا ہوگا وہ اس کا اور باقی کاشتکار کا ہوگا جیسے کنویں کے اردگرد یا نالیوں کے کنارے کی پیداوار اس کے لئے اور باقی حصے کی کاشتکار کے لئے ہوگی ، بعض صورتوں میں مالک اپنے لئے مقررہ حصہ کے ساتھ گنڈیاں وغیرہ لینا بھی طے کرتا تھا ، اور بعض صورتوں میں یہ بھی طے پاتا تھا کہ کاشتکار ، مالک زمین کو متعین مقدار میں غلہ یا نقدی ادا کرے گا ، اور یہ کہ مزارعت اور کراء الارض کی یہ مختلف اور متعدد شکلیں اسلام سے پہلے خود مدینہ منورہ میں پائی جاتی تھیں ۔

مزارعت کی فقہی تعریف :

واضح رہے کہ لفظ مزارعت ان الفاظ میں سے نہیں جن کا ایک معنی و مفہوم اسلام سے پہلے مشہور تھا اور دوسرا اسلام نے تجویز کیا اور متعین کیا تھا جیسے صلوۃ ، زکاۃ ، اور صوم وغیرہ بلکہ مزارعت ان الفاظ میں سے ہے جن کو اسلام نے ان کے سابقہ معنوں پر بعینہ برقرار رکھا اور اس کے متعلق اپنے احکام دئے ، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ علمائے شریعت اور فقہائے اسلام نے ان کے سابقہ معنوں پر بعینہ برقرار رکھا اور اس کے متعلق اپنے احکام دئے ، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ علمائے شریعت اور فقہائے اسلام نے کتب فقہ

Marfat.com

میں مزارعت کی جو تعریفیں پیش فرمائی ہیں ان کا مفہوم و مطلب بالکل وہی ہے جو عرف عام میں مشہور و معروف تھا ، مثال کے طور پر چند تعریفیں ملاحضہ فرمائیے :

المزارعۃ ہی عقد علی الزرع ببعض الخارج : مزارعت نام ہے اس معاہدے کا جو کھیتی کی پیداوار کے ایک حصہ پر طے پاتا ہے ، یعنی جس کی بنیاد کھیت اور کھیتی ہوتی ہے اور جس میں ہر فریق کھیت سے پیدا ہونے والے غلہ وغیرہ کے بعض حصے کا حقدار قرار پاتا ہے ، یہ تعریف فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتابوں میں بیان کی گئی ہے جیسے ہدایہ ، بدائع الصنائع اور الاختیار وغیرہ میں فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی لابن قدامہ میں مزارعۃ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے :

المزارعۃ دفع الارض الی من یزرعہا و عمل علیہا والزرع بینہما (ص ۵۸۱ ۔ ج ۵ ۔)

(ترجمہ) مزارعت کی تعریف ہے دوسرے کو اس معاہدے پر زمین دینا کہ وہ اس کو بوئے گا اور دیگر کام کرے گا اور پیداوار دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی ۔

فقہ شافعی کی بنیادی کتاب جس کا نام الام للشافعی ہے اس میں مزارعت مخابرت اور محاقلت کے متعلق لکھا ہے :

قال الشافعی اذا دفع الرجل الی الرجل ارضا بیضاء علی ان یزرعہا المدفوعۃ الیہ ، فما اخرج اللہ منہا من شیئی فلہ منہ جُزءَ من الاجزاء فہذہ المحاقلۃ و المخابرۃ والمزارعۃ (ص ۱۰۱ ۔ ج ۷ ۔)

(ترجمہ) امام شافعی نے فرمایا جب ایک شخص دوسرے کو اپنی خالی زمین اس شرط پر دے کہ وہ دوسرا زمین کو کاشت کرے گا پھر جو کچھ اس سے اللہ تعالی پیدا کرے گا اس میں سے اس کاشت کرنے والے کو ایک حصہ ملے گا ، تو اس معاملہ کا نام محاقلہ مخابرۃ اور مزارعت ہے ۔

اس عبارت سے جہاں مزارعت کی تعریف ظاہر ہوتی ہے وہاں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک مزارعت مخابرت اور محاقلت تینوں ایک چیز ہیں ۔

جیسا کہ اس مضمون کے عنوان سے ظاہر ہے کہ اس میں اصل مقصد ، مزارعت کی شرعی حیثیت سے بحث کرنا اور یہ بتلانا ہے کہ شریعت اسلامی کی رو سے اس معاملے کا حکم کیا ہے بنیادی طور یہ جائز اور درست معاملہ ہے یا ناجائز و نادرست معاملہ ؟ لیکن اس بحث و تحقیق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے شریعت اسلامی کے حقیقی ماخذ

Marfat.com

اور اصل سرچشمے یعنی قرآن حکیم کی طرف رجوع کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ وہ اس بارے میں کیا ہدایت اور روشنی دیتا ہے ۔

مزارعت کی شرعی حیثیت قرآن حکیم کی روشنی میں :

اس بحث کے آغاز میں ایک اصولی بات کا جاننا نہایت ضروری ہے وہ یہ کہ قرآن مجید کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ کہ وہ انسانی ہدایت کے لئے ایک جامع اور مکمل کتاب ہے اس کا مطلب یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اس میں حیات انسانی کے ہر ہر جزوی مسئلہ کے لئے الگ الگ جزوی و تفصیلی ہدایت موجود ہے اور ہر معاملہ سے متعلق جداگانہ طور پر جواز و عدم جواز کا حکم مذکور ہے کیونکہ یہ بداھۃً غلط اور خلاف عقل ہے اس لئے کہ حیات انسانی کے جزوی مسائل بے شمار اور لامتناہی ہیں ، کوئی کتاب ان کا احاطہ نہیں کر سکتی خواہ وہ سینکڑوں جلدوں ہی میں کیوں نہ ہو ، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا اور یہی ہو بھی سکتا ہے کہ اس میں حیات انسانی کے ہر ہر شعبہ سے متعلق ایسے اصولی اور کلی تصورات بتمام و کمال موجود ہیں جن میں ہر ہر جزوی مسئلہ کے لئے عمومی اور اجمالی ہدایت پائی جاتی ہے اور اہل نظر ، غور و فکر کے ذریعے اس کو سمجھ سکتے ہیں ۔

اسی طرح قرآن حکیم کے متعلق ہمارا دعویٰ کہ اس میں حیات انسانی کے ہر ہر شعبہ سے متعلق اصولی و کلی تصورات بتمام و کمال موجود ہیں جو زندگی کے تمام جزوی مسائل پر حاوی ہیں اور جن سے ہر ہر جزوی مسئلہ کے لئے جزوی حکم اخذ کیا جا سکتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس میں وہ اصول و کلیات مجرد اور مستقل شکل میں مذکور ہیں جس شکل میں وہ انسانوں کی تصنیف کردہ قانون وغیرہ کی کتابوں میں مذکور ہوتے ہیں ۔ یعنی قرآن کریم میں وہ اصول و کلیات الگ اور ان کی جزوی مثالیں الگ نہیں بلکہ ان اصول و کلیات کو بعض مشہور و معروف جزئیات کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے اس لئے کہ اصول و کلیات کو سمجھانے کا یہ طریقہ فطری اور عام فہم ہے اور اس میں بھٹکنے کا امکان کم ہے ، اس طریقہ کی کچھ وضاحت یہ ہے کہ قرآن حکیم جب ایک نوع کے بہت سے جزوی مسائل کے لئے کوئی ایجابی یا امتناعی حکم بیان کرتا ہے تو ان میں سے ایک زیادہ مشہور اور جانے پہچانے جزوی مسئلہ کو ذکر کر کے اس کے متعلق جواز و عدم جواز کا وہ حکم دیتا ہے ، گویا مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ جزوی مسئلہ جس کو تم خوب جانتے پہچانتے ہو جو حکم اس کا ہے وہی ہر اس دوسرے مسئلہ کا ہے جو نوعیت میں اس جزوی مسئلہ سے ملتا جلتا ہو یعنی جو اپنی حقیقت و ماہیت ، روح اور غرض اور اپنے اثرات و نتائج

Marfat.com

کے لحاظ سے جانے پہچانے مسئلہ کے مماثل اور مشابہ ہو ، لہذا وہ اس طریقہ سے انسانی عقل کے لئے غور و فکر اور قیاس و اجتہاد کا وسیع میدان فراہم کرتا ہے ، اس طریقہ میں غلطی کا امکان اس لئے کم ہوتا ہے کہ اس میں ایک معلوم کے ذریعہ دوسرے مجہول کا علم حاصل کیا جاتا ہے ، اسی طرح یہ طریقہ مانوس اور عام فہم بھی ہے اس لئے کہ ہر انسان اپنی زندگی کے امور میں کسی نہ کسی حد تک اس سے ضرور کام لیتا ہے ۔

معاملہ مزارعت کے بارے میں جب ہم قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس میں ہمیں جزوی صراحت کے ساتھ ایسی کوئی نص نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ یہ معاملہ جائز ہے یا ناجائز ، البتہ اس میں عام معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق ایک اصولی اور کلی تصور ضرور ملتا ہے جس سے اس معاملے کی شرعی حیثیت پر بھی اجمالی روشنی پڑتی ہے اور غور کرنے سے اس کا حکم معلوم ہو جاتا ہے ، اور وہ اصولی و کلی تصور یہ ہے :

کہ وہ تمام معاشی معاملات حلال اور جائز ہیں جو اپنی ماہیت و حقیقت اپنی روح و غرض اور اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے معاملہ بیع سے ملتے جلتے ہیں ، اور وہ جملہ معاشی معاملات حرام اور ناجائز ہیں جو اپنی بناوٹ اور ساخت اور اپنے اثرات و نتائج میں معاملہ ربوا کے مماثل ہیں ۔

اور یہ تصور قرآن حکیم کی آیت احل اللہ البیع و حرم الربوا میں مذکورہ بالا اسلوب سے بیان کیا گیا ہے ، اس آیت میں اگرچہ بظاہر معاملہ بیع کے حلال اور معاملہ ربوا کے حرام ہونے کا شرعی حکم ہے لیکن حلال و جائز ہونے کا حکم معاملہ بیع کے ساتھ اور حرام و ناجائز ہونے کا حکم معاملہ ربوا کے ساتھ مختص نہیں بلکہ ہر اس معاملہ کے لئے عام ہے جو معاملہ بیع اور معاملہ ربوا کے مماثل اور مشابہ ہو اور اس میں وہ علت پائی جاتی ہو جس کی وجہ سے معاملہ بیع کو حلال اور معاملہ ربوا کو حرام قرار دیا گیا ہے ،

معاملہ بیع کی حقیقت و ماہیت :

معاملہ بیع کی عرفی حقیقت جس کو کاروبار سے تعلق رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے یہ ہے کہ ایک تاجر اپنے سرمایہ کے بدلے کچھ تجارتی اشیاء خریدتا اور پھر منافع کے ساتھ ان کو بیچنے کی کوشش کرتا ہے گویا وہ اپنے سرمایہ کے ساتھ دماغی و جسمانی محنت کر کے

Marfat.com

نفع کماتا ہے اس کی دماغی محنت وہ ہوتی ہے جو وہ کوئی چیز خریدنے سے پہلے یہ سوچنے میں صرف کرتا ہے کہ اس کو کیا چیز کہاں سے خریدنی اور کہاں بیچنی چاہئے تاکہ اس کو زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو ، اور جسمانی محنت وہ ہوتی ہے جو ایک چیز کو ایک جگہ سے خریدنے اور دوسری جگہ منتقل کرنے میں برداشت کرتا ہے ، لہذا اس معاملے میں تاجر کو اپنے اصل سرمائے پر بطور نفع جو زائد مال ملتا ہے اس کے عوض تاجر کی طرف سے دماغی و جسمانی محنت و مشقت موجود ہوتی ہے جو پیدائش دولت کا ایک مسلمہ عامل اور متفقہ سبب ہے یعنی جس کے عامل پیداوار ہونے پر ، اسلام ، سرمایہ داری اور اشتراکیت تینوں متفق ہیں جبکہ سرمائے کے عامل پیداوار ہونے نہ ہونے میں ان کا اختلاف ہے ، لہذا معاملہ بیع و شراء میں ایک تاجر کو اپنے اصل سرمائے پر بطور منافع جو زائد مال ملتا ہے وہ چونکہ اس کی محنت و کاوش سے پیدا شدہ ہوتا ہے لہذا اس کا حق ہوتا ہے ، گویا وہ اپنا جائز حق لیتا ہے بنابریں قرآن حکیم نے اس کو حلال اور جائز ٹھہرایا ہے ۔

معاملہ بیع کے اس مذکورہ حقیقت کے پیش نظر ہر وہ معاشی معاملہ اس کے مماثل اور مشابہ قرار پاتا ہے جس میں نفع کے عوض ، نفع حاصل کرنے والے کی طرف سے کسی نہ کسی قسم کی مفید محنت و مشقت موجود ہوتی ہے ۔

معاملہ ربوا کی حقیقت :

معاملہ ربوا اور سود کی حقیقت جو کاروباری حلقوں میں ایک عام اور جانی پہچانی چیز ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک فریق اپنا مال دوسرے کو بطور قرض دیتا ہے اور یہ شرط لگاتا ہے کہ مقررہ میعاد کے بعد یہ رقم خاص اضافے کے بعد ساتھ واپس کی جائے گی یا یہ کہ اس پر ماہوار یا سالانہ اتنی رقم مزید دینی پڑے گی ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں ایک فریق کا اصل سرمایہ بھی اس کے حق میں محفوظ رہتا ہے اور وہ کسی بغیر نفع بخش محنت و مشقت کے اس پر منافع لینے کا بھی حقدار بنتا ہے ۔ لہذا ہر وہ معاشی معاملہ ، معاملہ ربوا کے مشابہ اور مماثل قرار پاتا ہے جس میں ایک فریق بغیر کسی نفع آور محنت و مشقت کے ، اور بغیر کوئی نقصان اور خسارہ برداشت کئے محض اس سرمائے کی بنا پر منافع کا حقدار ٹھہرتا ہے جو اس نے تحفظ کی ضمانت کے ساتھ دوسرے کو استعمال کے لئے دے رکھا ہوتا ہے ۔

Marfat.com

قرآن حکیم نے اس قسم کے معاملات کو جو حرام و ناجائز ٹھرایا ہے تو غور سے دیکھا جائے تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ سرمائے کو کسی شکل میں بھی پیدائش دولت کا عامل اور سبب نہیں تسلیم کرتا ، کیونکہ حقیقت واقعہ کی رو سے یہ نظریہ بالکل غلط اور باطل ہے کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی دولت کو پیدا کرتا ہے اس لئے کہ سرمایہ کسی شکل میں بھی کسی دولت کو پیدا نہیں کرتا ، سرمایہ جب یونہی بیکار پڑا ہو یعنی کاروبار میں لگا ہوا نہ ہو تو یہ عام مشاہدہ ہے کہ کبھی بھی اس میں ذرہ برابر اضافہ نہیں ہوتا بلکہ بہت سی شکلوں میں وہ وقت گزرنے کے ساتھ فرسودہ اور قدر و قیمت میں کم ہوتا چلا جاتا ہے مثلاً اگر سرمایہ نقدی اور سونے چاندی وغیرہ کی شکل میں ہو تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تجوری میں پڑے پڑے اس کی مقدار اور تعداد میں کچھ اضافہ ہوگیا ہو ، اور اگر وہ سرمایہ حیوانات و نباتات اور ان سے بنے ہوئے مختلف قسم کے سازو سامان کی شکل میں ہو تو ہم دیکھتے ہیں کہ پڑے پڑے نہ صرف یہ کہ اس میں کچھ زیادتی نہیں ہوتی بلکہ کچھ وقت کے بعد اس میں کمی واقع ہونی شروع ہو جاتی ہے اور پھر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اس کی کوئی قدرو قیمت باقی نہیں رہتی ، اسی طرح سرمایہ جب کسی کاروبار میں لگا ہوتا ہے تو اس وقت بھی وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتا ، کاروبار میں منافع جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ صرف دماغی و جسمانی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے البتہ بعض صورتوں میں سرمایہ بڑی یا کلی طور پر تحلیل ہوتا ہے اور اس سے اس کی مالیت میں جتنی کمی واقع ہوتی ہے اس کے مطابق محنت سے حاصل ہونے والی دولت میں اضافہ ہو جاتا ہے ، مثلاً ایک کاریگر کسی مشین کے ساتھ کام کر کے جو چیز پیدا کرتا ہے اس میں مشین کا حصہ صرف اتنا ہوتا ہے کہ گھسنے سے اس کی مالیت جس قدر کمی واقع ہوتی ہے اسی قدر پیدا شدہ مال میں اضافہ ہو جاتا ہے مثلاً اگر یومیہ اس مشین کی قیمت میں گھسنے سے پانچ روپے کی کمی ہوتی ہے تو حاصل ہونے والے دس روپے کی مال میں پانچ روپے کاریگر کی محنت سے پیدا ہوئے اور ان کے ساتھ پانچ روپے وہ شامل ہوگئے جو گھسنے سے مشین کی قیمت میں کم ہوئے لہذا یہ سمجھنا ایک دھوکہ اور بڑا مغالطہ ہے کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی دولت کو پیدا کرتا ہے ، بہر حال یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ صرف محنت ہی دولت کو پیدا کرتی ہے اور سرمایہ کسی شکل میں میں بھی دولت کو پیدا نہیں کرتا ربوا جیسے معاملات کا حرام و باطل ہونا باآسانی سمجھ میں آجاتا ہے وہ اس طرح کہ اس قسم کے ربوی معاملات میں ایک فریق اپنے اصل سرمائے پر جو زائد مال لیتا ہے چونکہ اس کے بدلے میں اس کی طرف سے کوئی قابل لحاظ دماغی و جسمانی محنت و مشقت نہیں ہوتی اور نہ اس کو اس

Marfat.com

کے سرمایہ نے پیدا کیا ہوتا ہے لہذا وہ اس کا حقدار نہیں ہوتا ، چنانچہ وہ جو کچھ زاید لیتا ہے وہ دوسرے فریق کا حق لیتا ہے لہذا وہ ظلم و حق تلفی کا ارتکاب کرتا ہے جو حرام و ناجائز ہے ، گویا ظلم و حق تلفی کا عنصر سودی معاملات کی ماہیت میں داخل ہوتا ہے لہذا قرآن حکیم نے ان کو حرام و باطل قرار دیا ہے ،

علاوہ ازیں قرآن حکیم نے معاملات کی صحت کے لئے تراضی فریقین کو شرط ٹھہرایا ہے فرمایا :

یا ایہا الذین آمنوا لاتاکلوا اموا لکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃً عن تراض منکم ۔

(ترجمہ) اے مسلمانوں تم آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل و ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت کے طریقہ سے اور باہمی رضامندی سے ہو ۔

اس قرآنی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ باہمی معاملات کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ فریقین کی حقیقی رضامندی موجود ہو ، اسی مفہوم کو ایک حدیث نبوی میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے فرمایا :

لایحل مال امرء مسلم الا بطیب نفسہ ۔ کسی مسلمان کا مال لینا حلال اورجائز نہیں مگر یہ کہ وہ خود خوشدلی سے دے ۔

اور چونکہ معاملہ بیع و شراء میں فریقین کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہے خریدنے اور فروخت کرنے والا دونوں اپنی مرضی اور خوشی سے یہ معاملہ کرتے ہیں اس لئے کہ اس میں ہر ایک کو اپنی چیز کے بدلے دوسری چیز ملتی ہے جو اس کی رضاء و خوشی کی دلیل ہوتی ہے لہذا قرآن حکیم نے اس معاملہ کو حلال اور جائز قرار دیا ہے ، بخلاف معاملہ ربوا اور سود کے کہ اس میں ایک فریق یعنی سود لینے والا تو اپنی مرضی و خوشی سے شریک ہوتا ہے کیونکہ اس میں اس کا اصل مال بھی اس کے لئے محفوظ رہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو بطور سود کچھ زائد بھی ملتا ہے لیکن دوسرا فریق جو سود دیتا ہے حقیقی رضامندی کے ساتھ اس میں شریک نہیں ہوتا کیونکہ اس کے لئے اس چیز کا مادی معاوضہ موجود نہیں ہوتا جو وہ بطور سود ادا کرتا ہے ، بلکہ اس مجبوری کے ساتھ شریک ہوتا ہے کہ اس کے پاس ضرورت کے مطابق اپنا سرمایہ موجود نہیں ہوتا ، اس کی دلیل یہ ہے کہ

جس کے پاس ضرورت کے مطابق اپنا سرمایہ موجود ہو وہ دوسرے سے سود پر قرض کبھی نہیں لیتا لہذا معاملہ ربوا کو قرآن حکیم نے حرام و باطل ٹھہرایا ہے ، گویا اس کے نزدیک ہر وہ معاشی معاملہ حرام و باطل ہے جس میں ایک فریق خوشی و رضامندی سے اور دوسرا مجبوری سے شریک ہوتا ہے ۔

اس کے بعد آئیے یہ دیکھیں کہ معاملہ مزارعت ، بیع کی قسم کے معاملات میں آتا ہے یا ربوا کی قسم کے معاملات میں ، چنانچہ اس تعین کے لئے جب ہم معاملہ مزارعت کا بغور جائزہ لیتے ہیں اور اس کی ماہیت کا تجزیہ کر کے دیکھتے ہیں تو یہ معاملہ قطعی طور پر معاملہ ربوا کے مماثل و مشابہ نظر آتا ہے ، وہ اس طرح کہ اس معاملہ میں بھی ایک فریق کا سرمایہ جو بصورت زرعی زمین ہوتا ہے بہرحال اس کے لئے محفوظ رہتا ہے یعنی معاملہ ختم ہونے پر وہ زمین جب مالک کی طرف لوٹتی ہے تو عام طور پر اس کی مالیت اتنی اور قیمت اتنی ہی ہوتی ہے جتنی کہ معاملہ شروع کرتے وقت تھی مطلب یہ کہ زیر کاشت آنے سے زمین کی مالیت و قیمت میں کوئی خاص کمی واقع نہیں ہوتی جس طرح کہ ایک مکان ، فرنیچر اور مشین وغیرہ کی مالیت میں استعمال سے ہو جاتی ہے بلکہ بعض دفعہ زمین کی قیمت بڑھ جاتی ہے جب کاشتکار اس کو زیادہ محنت اور فنی مہارت سے آباد کرتا اور اس میں خوب کھاد وغیرہ ڈالتا ہے ، اسی طرح اس معاملہ میں بھی ایک فریق یعنی زمین والا بغیر کسی مفید اور پیداوار محنت و مشقت کے پیداوار کے ایک حصہ کا مستحق قرار پاتا ہے ، اور پھر ٹھیک اسی طریقے سے معاملہ مزارعت میں بھی ایک فریق یعنی کاشتکار ، حقیقی رضامندی سے نہیں بلکہ اس مجبوری سے اس کو اختیار کرتا ہے کہ اس کے پاس ضرورت کے مطابق اپنی زمین نہیں ہوتی ، مطلب یہ کہ جس کے پاس اپنی کافی زمین موجود ہو وہ مزارعت پر دوسرے کی زمین کاشت کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوتا کیونکہ پہلی صورت میں اس کو پوری کی پوری پیداوار ملتی ہے اور دوسری صورت میں اس کا ایک حصہ ملتا ہے ، اور کون ہے جو رضاء و خوشی کے ساتھ پوری کے مقابلہ میں ادھوری کو اختیار کرتا ہے ، نیز اثرات و نتائج کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ان میں بھی معاملہ ربوا اور معاملہ مزارعت مماثل نظر آتے ہیں ، سود خوار اور زمیندار چونکہ دونوں بلا محنت و مشقت کے کھاتے اور مال جمع کرتے ہیں لہذا دونوں کے اندر ایک طرح کی اخلاقی اور معاشرتی برائیاں ظہور میں آتی ہیں اور معاشرے کے توازن کو بگاڑتی ہیں ، دراصل ان دونوں معاملوں کا مزاج ایک ہے لہذا دونوں سے ایک ہی نوعیت کے کوائف و حالات ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ایک ہی قسم کے اثرات و نتائج وجود میں آتے ہیں کیونکہ حرام

Marfat.com

خوری کی خاصیت ایک ہی ہے اور ایک ہی ہو سکتی ہے ۔

غرضکہ ذرا بھی غور سے دیکھا جائے تو معاملہ مزارعت اپنی ماہیت ، نوعیت اور خاصیت میں معاملہ ربوا کے مماثل و مشابہ نظر آتا ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بعض احادیث نبویہ میں اس کو ربوا سے تعبیر کیا گیا ہے جو حقیقت حال کی نہایت سچی تعبیر ہے ، وہ حدیث نبوی یہ ہے :

عن ابن ابی نعیم قال حدثنی رافع بن خدیج انہ زرع ارضا فمر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یَسقِھَا فسئالہ ، لمن الزرع ولمن الارض فقال زرعی ببذری و عملی لی الشطر ولبنی فلان الشطر فقال اربیتما فرد الارض علی اھلھا و خذ نفقتک ۔

(ص ۱۲۷ ۔ ج ۲ سنن ابی داؤد)

(ترجمہ) ابن ابی نعیم سے روایت ہے کہا مجھ سے رافع بن خدیج نے حدیث بیان کی کہ اس نے ایک زمین کاشت کی ، پس اس کے پاس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا جب کہ وہ اس کو سینچ رہا تھا آپ نے پوچھا کس کی کھیتی ہے اور کس کی زمین ؟ تو میں نے جواب دیا کہ کھیتی میرے بیج اور عمل سے ہے پیداوار آدھی میری اور آدھی بنی فلاں کی ہوگی ، اس پر حضور نے فرمایا تم دونوں ربوا میں مبتلا ہوئے ، زمین اس کے مالکوں کو دے دو اور تمہارا جو خرچہ ہوا ہے ان سے لے لو ۔

اس حدیث میں 'اربیتما' کا جو لفظ ہے وہ صاف بتلا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں مزارعت کا معاملہ اور ربوا کا معاملہ ایک جیسے ہیں اور دونوں کا ایک حکم ہے ، اس چیز کی مزید وضاحت ایک اور حدیث نبوی سے بھی بہتر طور پر ہوتی ہے :

عن ابی الزبیر عن جابر بن عبداللہ قال لما نزلت الذین یا کلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : مَنْ لَمْ یذر المخابرۃ فلْیُوذِن بحرب من اللہ و رسولہ ۔ ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم (ص ۲۸۶ ج ۲ المستدرک للحاکم ۔)

ترجمہ) ابو الزبیر نے حضرت جابر سے روایت کیا ، کہا جب یہ آیت نازل

Marfat.com

ہوئی "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوتے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جس کو شیطان کے چھونے سے خبط ہوگیا ہو" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مخابرت کو نہیں چھوڑتا اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے (یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے) ۔

اس حدیث نبوی سے نہایت واضح اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرت و مزارعت کو ربوا کے مماثل قرار دیا ہے ، اور یہ اس سیاق و سباق سے بھی ثابت ہوتا ہے جس میں آپ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی ، یعنی تحریم ربوا کی آیات کے نزول کے فوراً بعد ، اور ان خاص الفاظ سے بھی ثابت ہوتا ہے جو آپ نے بطور تہدید استعمال فرمائے یعنی جو مخابرت کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہو اسے یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ میں متبلا اور مشغول ہے ، اور یہ تہدید و دھمکی بعینہ ، وہی ہے جو قرآن مجید میں ان لوگوں کے لئے ہے جو سودی لین دین کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوں سودخواروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا :

فان الم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ ۔
(ترجمہ) پس اگر تم سودی کاروبار کو نہیں چھوڑتے تو اللہ اور اس کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ ۔

بتلائیے اس سے بڑھ کر ان دو معاملوں یعنی ربا اور مخابرت کے مابین مماثلت کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے ، یہاں ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ مذکورہ حدیث مخابرت کے متعلق ہے مزارعت کے متعلق نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ پیچھے کسی قدر تفصیل کے ساتھ عرض کیا جا چکا ہے کہ مزارعت اور مخابرت دونوں ایک ہی معاملے کے دو نام ہیں لہذا یہ مترادف اور ہم معنے الفاظ ہیں اور یہ کہ مدینہ منورہ میں خصوصیت کے ساتھ مزارعت کی بجائے لفظ مخابرت کا استعمال عام تھا ، علاوہ ازیں بعض احادیث میں مخابرت کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے وہ بعینہ ، مزارعۃ کی حقیقت ہے ، ذیل میں وہ حدیث ملاحظہ فرمائیے ۔

Marfat.com

عن زید بن ثابت قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المخابرۃ قلت ما المخابرۃ ؟ قال ان تاخذ الارض بنصف او ثلث او ربع ، (ص ۱۲۷۸ ۔ ج ۲ ابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہا ہے منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے میں نے پوچھا ، مخابرہ کیا ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا زمین کا لینا نصف پیداوار پر یا تہائی یا چوتھائی پر ۔

ہو سکتا ہے مخابرہ کی یہ تعریف زید بن ثابت کے پوچھنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہو یا شاگرد کے پوچھنے پر حضرت زید بن ثابت نے بیان فرمائی ہو بہرحال دونوں صورتوں میں ہمارے لئے حجت و دلیل ہے ۔

اضح رہے کہ میں نے ان صفحات میں معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق قرآن حکیم کا اصولی اور کلی ضابطہ بیان کیا اور پھر اس کے تحت مزارعت کو ناجائز بتلایا ہے اس ضابطے کی رو سے بظاہر معاملہ مضاربت بھی ناجائز معاملات کے تحت آجاتا ہے کیونکہ اس میں بھی ایک فریق حقیقی رضا مندی سے نہیں بلکہ اس مجبوری کے تحت شریک ہوتا ہے کہ اس کے پاس کاروبار کے لئے اپنا سرمایہ موجود نہیں ہوتا ، تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ مضاربت اور ربا کے درمیان ایک خاص فرق ہے اور یہ وہ کہ مضاربت میں سرمائے والے کے لئے اس کے سرمائے تحفظ کی ضمانت نہیں ہوتی جبکہ ربوا میں اس کی ضمانت ہوتی ہے چنانچہ مضاربت میں اگر اصل سرمائے میں نقصان و خسارہ واقع ہو جائے تو وہ تمام تر سرمائے والے کو برداشت کرنا پڑتا ہے محنت کرنے والا اس نقصان میں شریک نہیں ہوتا اور نفع ہو جائے تو ضروری اخراجات نکالنے کے بعد دونوں اس میں حصہ دار ٹھہرتے ہیں بخلاف ربوا کے کہ اس مین بہر حال سرمائے والے کے لئے اس کا سرمایہ بھی محفوظ رہتا ہے اور اس پر وہ بطور سود زائد شے کا بھی حقدار ٹھہرتا ہے ، لہذا مضاربت میں رب المال یعنی سرمائے والا جس ایثار کے لئے آمادہ ہوتا ہے اس کے لئے سود خوار آمادہ نہیں ہوتا بنابریں مضاربت کا وہ حکم نہیں جو ربوا کا ہے ۔

قرآن حکیم اور مزارعت کے زیر عنوان قدرے تفصیل کے ساتھ جو کچھ اپنے علم و فہم کے مطابق عرض کیا گیا ہے ، اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم کی رو سے مزارعت کی شرعی حیثیت کیا ہے ۔

Marfat.com

اب میں اس ہدایت و راہنمائی کو پیش کرنا چاہتا ہوں جو مزارعت کے متعلق احادیث نبویہ میں پائی جاتی ہے خصوصاً ان احادیث نبویہ میں جو اصطلاحاً مرفوع احادیث کہلاتی ہیں ۔

احادیث نبویہ اور مزارعت ۔

چونکہ مزارعت سے متعلق احادیث نبویہ میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے لہذا ان احادیث کو نقل کرنے سے پہلے اس اصولی ضابطے کا بیان ضرور ہے جو مختلف اور متعارض احادیث کے بارے میں علمائے اصول حدیث اور اصول فقہ نے تجویز کیا ہے اور جس اختلاف اور تعارض کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے ، وہ اصولی ضابطہ یہ ہے :

جب ایک مسئلہ سے متعلق احادیث میں اختلاف و تعارض پایا جاتا ہو بعض اس کے جواز اور بعض عدم جواز پر دلالت کر رہی ہوں تو سب سے پہلے سند و اسناد کے لحاظ سے ان کو دیکھا جائے ، جو قوی ہوں ان کو اختیار کر لیا جائے اور جو ضعیف ہوں ان کو چھوڑ دیا جائے ، اور اگر سند و اسناد کے لحاظ سے سب قوی اور برابر ہوں تو پھر یہ دیکھا جائے کہ جس مسئلہ سے متعلق یہ مختلف احادیث ہیں اس میں نسخ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر ہو سکتا ہے تو پھر لفظی و معنوی قرائن اور داخلی و خارجی شواہد سے یہ پتہ چلایا جائے کہ ان میں سے کون سی احادیث بلحاظ زمانہ پہلے اور کون سی بعد کی ہیں چنانچہ جن کے متعلق ثابت ہو جائے کہ وہ پہلے کی ہیں ان کو منسوخ اور جو بعد کی ہوں ان کو ناسخ سمجھا جائے اور پھر منسوخ کو چھوڑ دیا جائے اور ناسخ کو لے لیا جائے ، اور اگر کسی طریقہ سے تقدم و تأخر کا پتہ نہ چلتا ہو تو پھر یہ دیکھا جائے کہ وجوہ ترجیح کی بنا پر ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دی جا سکتی ہے یا نہیں ؟ اصول حدیث کی بعض کتابوں میں وجوہ ترجیح پچاس اور بعض میں اس سے بھی زیادہ لکھی ہیں ، چنانچہ اگر ترجیح دی جا سکتی ہو یعنی بعض میں دوسری بعض کے بالمقابل وجوہ ترجیح زیادہ پائی جاتی ہوں تو جن احادیث میں وجوہ ترجیح پائی جاتی ہوں ان کو راجح قرار دے کر اختیار کر لیا جائے اور جن میں نہ پائی جاتی ہوں یا کم پائی جاتی ہوں ان کو مرجوح قرار دے کر چھوڑ دیا جائے ، اور اگر ان میں سے بعض کو بعض پر ترجیح بھی نہ دی جا سکتی ہو تو پھر یہ دیکھا جائے کہ ان کے مابین جمع و تطبیق کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ یعنی کسی معقول تاویل سے ان کے درمیان مطابقت اور موافقت کی کوئی شکل نکل سکتی ہے یا نہیں ، اگر کوئی ایسی شکل نکل سکتی ہو تو اس سے کام لیا جائے اور تطبیق پیدا کر دی جائے ، اور اگر جمع و تطبیق

Marfat.com

کی بھی کوئی صحیح صورت ممکن نہ ہو تو پھر ان متعارض احادیث کو ترک کر کے قول صحابی اور قیاس کی طرف رجوع کیا جائے ، اگرچہ اس کی نوبت بہت کم آتی ہے کیونکہ عموماً پہلے تین طریقوں سے ہی تعارض رفع ہو جاتا ہے ۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ متعارض احادیث سے تعارض کو رفع کرنے کے لئے میں نے جو اصولی ضابطہ جس ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے یعنی پہلے نسخ ، پھر ترجیح ، پھر تطبیق اور پھر ترک و توقف ، یہ ترتیب وہ ہے جو علامہ ابن الھمام نے اپنی کتاب التحریر فی الاصول میں بیان کی ہے ، ورنہ دوسرے علماء اصول خصوصاً شافعیہ کے نزدیک یہ ترتیب مختلف ہے اکثر کے نزدیک پہلے جمع و تطبیق ، پھر نسخ ، پھر ترجیح اور پھر توقف ہے ، بعض کے نزدیک پہلے ترجیح پھر تطبیق پھر نسخ اور پھر توقف ہے اور بعض کے نزدیک پہلے ترجیح ، پھر نسخ ، پھر جمع و تطبیق اور پھر توقف ہے ، ہر ایک نے اپنی اختیار کردہ ترتیب کے حق میں دلائل پیش کئے ہیں جو اس علم کی بڑی کتابوں میں مذکور ہیں جو چاہے وہاں دیکھ سکتا ہے ، یہاں میرے پیش نظر جو مقصد ہے چونکہ اس کا دارومدار کسی خاص ترتیب پر نہیں بلکہ مذکورہ ترتیبوں میں سے جو بھی ہو اس کے لئے برابر ہے لہذا میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ ان ترتیبوں میں سے کونسی ترتیب زیادہ صحیح ہے ۔

اب میں مزارعت و مخابرت کے متعلق ان مرفوع احادیث کو نقل کرتا ہوں جو مختلف صحابہ کرام سے مروی اور حدیث کی مختلف کتابوں میں مذکور ہیں ، بعد میں ان احادیث کا اس اصولی ضابطے کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا جو رفع تعارض کے سلسلہ میں اوپر عرض کیا گیا ہے ۔

جن صحابہ کرام سے وہ مرفوع احادیث مروی ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں : حضرت جابر بن عبداللہ حضرت ابو ہریرہ حضرت علی ، حضرت ابو سعید الخدری ، حضرت زید بن ثابت ، حضرت عائشہ صدیقہ ، حضرت انس بن مالک ، حضرت سعد بن ابی وقاص ، حضرت ثابت بن الضحاک ، حضرت عبداللہ بن عمر ، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنھم ، ان حضرات سے مروی احادیث کسی ایک کتاب میں ایک جگہ مذکور نہیں بلکہ مختلف کتابوں میں متفرق طور پر مذکور ہیں ، میں نے کوشش کی ہے کہ ہر صحابی کی بکھری ہوئی احادیث کو جمع کر کے یکجا بیان کر دوں ، ذیل میں ہر صحابی کر مروی احادیث بمعہ حوالہ اور ترجمہ ملاحظہ فرمائیں !

Marfat.com

سب سے پہلے حضرت جابر بن عبداللہ کی احادیث ذکر کی جاتی ہیں کیونکہ اس باب میں ان کی احادیث بنیادی اور فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہیں اس لئے بھی کہ ان کا تعلق قبیلہ انصار سے ہے جن کی معیشت کا دارومدار زراعت پر تھا ۔

احادیث حضرت جابر بن عبداللہ

(۱) عَنْ جابر قال کانوا یزرعونها بالثلثِ والربع والنصف ، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کانت له ارض فلیزرعها ، اولیمنحا فان لم یفعل فلیمسک ارضه ، (ص ۲۱۷ ج ۳ ۔ صحیح البخاری ۔)

(ترجمہ) حضرت جابر سے روائیت ہے کہ لوگ زمین کاشت کیا کرایا کرتے تھے پیداوار کی تہائی ، چوتھائی اور نصف پر ، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا جس کی زمین ہو اسے وہ خود کاشت کرے یا بلامعاوضہ دوسرے کو دے دے ، اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اپنی زمین کو اپنے پاس رکھے ،

(۲) عن جابر بن عبداللہ قال کان لرجال فضول ارضین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : من کانت له فضل ارض فلیزرعها اور لیمنحا اخاه ، فان ابیٰ فلیمسک ارضه ، (ص ۱۹۷ ۔ ج ۱۰ ۔ صحیح المسلم)

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ کے پاس فاضل زمین تھیں ، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، جس کے پاس فاضل زمین ہے وہ خود اسے کاشت کرے یا پھر اپنے بھائی کو بلامعاوضہ کاشت کے لئے دے دے ، پس اگر وہ اس کو نہیں مانتا تو اس زمین کو اپنے پاس روک رکھے ۔

(۳) عن جابر قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : من کانت له ارض فلیزرعها ، فان لم یستطع ان یزرعها و یعجز عنها فلیمنحها اخاه المسلم ولا یوا جرها ایاه ، (ص ۱۹۷ ۔ ج ۱۰ صحیح المسلم)

(ترجمہ) حضرت جابر سے روائیت ہے کہا ، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے پاس زمین ہو وہ خود اسے کاشت کرے اور اگر وہ خود اس کو کاشت نہیں کر سکتا اور اس سے عاجز ہے تو پھر وہ اس کو اپنے مسلمان بھائی کو منحہ و عطیہ کے طور پر دے

ے اور وہ اس کو معاوضے اور اجارے پر نہ دے ۔

(۴) عن جابر بن عبداللہ ، قال نہیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یوخذ للارض اجر اوحظ (ص ۱۹۷ ۔ ج ۱۰ صحیح المسلم ۔)

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہ لیا جائے زمین کے لئے نقد بدلہ یا پیداوار کا حصہ ،

(۵) عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المخابرۃ قال عطاء فسرلنا جابر قال واما المخابرۃ فالارض البیضاء یدفعہا الرجل الی الرجل فینفق فیھا ثم یاخذ من الثمرۃ ، (ص ۱۹۴ ج ۱۰ صحیح المسلم ۔)

(ترجمہ) حضرت جابر سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا کہا عطاء نے کہ حضرت جابر نے مخابرہ کی تفسیر فرماتے ہوئے فرمایا ، مخابرت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی سفید زمین دوسرے کو کاشت کے لئے دے اور دوسرا اس میں خرچ کرے پھر پہلا اس سے پھل و غلے کا ایک حصہ لے لے ۔

(٦) عن ابی الزبیر عن جابر قال ، لمانزلت الذین یاکلون الربا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یذر المخابرۃ فلیوذن بحرب من اللہ و رسولہ ، (ص ۲۸٦ ۔ ج ۔ ۲ ۔ المستدرک للحاکم ۔)

(ترجمہ) ابو الزبیر نے حضرت جابر سے روائیت کیا کہ جب یہ آیت اتری کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوتے مگر اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے چھو کر خبطی بنا دیا ہو ، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، جو شخص مخابرت کو نہیں چھوڑتا اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتا ہے ،

(۷) عن عطاء عن جابر بن عبداللہ قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال من کانت لہ ارض فلیزرعہا اور لیزرعہا ولا یواجرھا ، (نسائی ، ابن ماجہ ، طحاوی ۔)

(ترجمہ) عطاء نے حضرت جابر سے روائیت کیا کہ خطبہ دیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ، نے اور فرمایا ، جس کی زمین ہو وہ خود اسے کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کے لئے دے دے اور اس کو اجرت اور معاوضے پر نہ دے ،

Marfat.com

(۸) عن جابر کنا نخابر علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنصیب من القصریٰ ومن کذا و من کذا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : من کانت لہ ارض فلیزرعہا اور لیحر ثہا اخاہ و الافلیدعہا ، (ص ۱۹۹ ۔ ج ۱۰۷ صحیح المسلم)

(ترجمہ) حضرت جابر سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخابرہ کرتے تھے پس پاتے تھے کچھ گھنڈیوں میں سے اور کچھ اس سے اور کچھ اس سے تو فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی زمین ہو وہ خود اس کو کاشت کرے یا پھر اپنے بھائی کو کاشت کے لئے دے دے ورنہ اس کو چھوڑ دے ،

(۹) عن جابر بن عبداللہ یقول کنا فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذ الارض بالثلث اوالربع بالماذیانات فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ذالک فقال من کانت لہ ارض فلیزرعہا فان لم یزرعہا فلیمنحہا اخاہُ ۔ فانْ لَمْ یمنحہا اخاہُ فلیمسکہا ، (ص ۲۰۰ ۔ ج ۱۰ ۔ صحیح المسلم)

(ترجمہ) حضرت جابر سے روائیت ہے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زمین لیتے تھے تہائی پر یا چوتھائی پر نالیوں کے کنارے کی پیداوار کے ساتھ ، سو اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا : جس کی زمین ہو وہ خود اس کو کاشت کرے اور اگر وہ خود اس کو کاشت نہیں کرتا تو اپنے بھائی کو بلامعاوضہ دے دے اور اگر اپنے بھائی کو بلا معاوضہ نہیں دیتا تو پھر اس کو اپنے پاس روک رکھے ،

(۱۰) عن ابی الزبیر انہ سمع جابرا یقول : کنا نخابر قبل ان ینہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخبر بسنتین او ثلث علی الثلث والشطر و شیئی من التبن فقال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : من کانت لہ ارض فلیحرثہا فان کرہ ان یحرثہا فلیمنحہا اخاہ فان کرہ ان یمنحہا اخاہ فلیدعہا ، (ص ۳۴۹ ۔ الدارمی ۔)

(ترجمہ) ابو الزبیر سے روائیت ہے کہ اس نے حضرت جابر کو یہ کہتے سنا کہ ہم مخابرت کا معاملہ کرتے تھے قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے روکا اور مخابرت کرتے تھے دو سال اور تین سال کے لئے ، پیداوار کی تہائی پر اور نصف پر کچھ بھوسے کے ساتھ ، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا ، جس کی زمین ہو وہ خود اسے کاشت کرے ، اور اگر اس کو خود کاشت کرنا ناگوار ہو تو اپنے بھائی کو یونہی

Marfat.com

استعمال کے لئے دے دے اور اگر اس کو یہ بھی ناگوار ہو تو پھر اس زمین کو یونہی چھوڑ دے ۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایات .

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت لہ ارض فلیزرعہا او لیمنحہا اخاہ فان ابیٰ فلیمسک ارضہ ، (ص ۲۱۷ ۔ ج ۳ ۔ صحیح البخاری ۔)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ سے روائیت ہے کہا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، جس کے زمین ہو وہ خود اسے کاشت کرے یا اپنے بھائی کو منحہ و عطیہ کے طور پر دے دے پس اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اپنی زمین کو اپنے پاس روک لے ،

عن ابی ہریرۃ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ المحاقلۃ والمزابنۃ ، (ص ۲۰۱ ج ۱۰ ۔ صحیح المسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہا کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنۃ سے ،

حضرت علی کی حدیث

عن علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن قبالۃ الارض بالثلث و الربع و قال اذا کان لاحد کم ارض فلیزرعہا او لیمنحہا اخاہ ، (ص ۲۸۳ ۔ المسند للامام زید ۔)

(ترجمہ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تہائی اور چوتھائی پیداوار پر زمین کا معاملہ کرنے سے ، اور فرمایا جب تم میں سے کسی کی زمین ہو تو وہ خود اس کو کاشت کرے یا پھر اپنے بھائی کو منحہ کے طور پر بلامعاوضہ دے دے ،

حضرت ابو سعید الخدری کی حدیث

عن داؤد بن الحصین ، ان ابا سفیان اخبرہ انہ سمع ابا سعید الخدری یقول : نہیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المزابنۃ والمحاقلۃ و قال المزابنۃ اشتراء الثمر فی رؤس النخل والمحاقلۃ کراء الارض ، (ص ۲۰۱ ج ۱۰ ۔ صحیح المسلم ۔)

(ترجمہ) داؤد بن حصین سے روایت ہے کہ اس کو ابوسفیان نے بتلایا کہ اس نے ابو سعید

Marfat.com

خدری سے سنا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ سے روکا اور پھر کہا مزابنہ کا مطلب ہے کھجور کے درخت پر لگے ہوئے پھل کو فروخت کرنا اور محاقلہ کا مطلب ہے زمین کو کرائے پر دینا

حضرت زید بن ثابت کی احادیث

عن زید بن ثابت قال نہیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المخابرۃ ، قلت ما المخابرۃ ؟ قال ان تأخذ الارض بنصف او ثلث او ربع ، (ص ۱۲۷ ۔ ج ۲ سنن ابی داؤد ۔)

(ترجمہ) حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرت سے منع فرمایا ، میں نے پوچھا مخابرت کیا ہے ؟ تو زید بن ثابت نے کہا ، تیرا زمین کو لینا پیداوار کے نصف یا تہائی یا چوتھائی پر ،

عن ابن عمر عن زید بن ثابت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالَ نہیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المحاقلۃ والمزابنۃ ، ص (۲۶ ۔ ج ۲ شرح معانی آلاثار ۔)

(ترجمہ) حضرت ابن عمر نے زید بن ثابت سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روائیت کیا ، کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا محاقلہ سے اور مزابنہ سے ۔

حضرت عائیشہ کی حدیث

عن عبداللہ بن عمر عن عائیشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج فی مسیر لہ فاذا ہو بزرع تہتز فقال لمن ھذا الزرع قالوا لرافع بن خدیج فارسل الیہ و کان اخذ الارض بالنصف او الثلثِ فقال انظر نفقتک فی ھذہ الارض فخذھا من صاحب الارض وادفع الیہ ارضہ وزرعہ ، (ص ۳۰۴ ، ج ۲ الدار قطنی ۔)

(ترجمہ) عبداللہ بن عمر نے حضرت عائیشہ سے روائیت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک راستے گزرے کہ اچانک آپ کی نظر ایک لہلہاتی کھیتی پر پڑی ، آپ نے پوچھا کس کی کھیتی ہے تو لوگوں نے کہا رافع بن خدیج کی ، آپ نے اس کو بلوایا اور اس نے وہ زمین نصف یا تہائی پر لے رکھی تھی ، فرمایا دیکھو جو تمہارا اس زمین میں خرچہ ہوا ہے پس وہ زمین والے سے لے لو ، اور زمین و کھیتی اس کے حوالہ کر دو ،

Marfat.com

حدیث حضرت انس بن مالک

عن انس بن مالک قال نہیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المحاقلۃ والمخاضرۃ والملامسۃ والمنابذہ والمزابنۃ (ص ۱۶۲ ۔ ج ۲ ۔ صحیح البخاری ۔)

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک سے روائیت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا محاقلہ ، مخاضرہ ، ملامسہ ، منابذہ اور مزابنہ سے

حضرت ثابت بن الضحاک کی حدیث

عن عبداللہ بن السائب قال سألت عبداللہ بن محقل عن المزارعۃ فقال اخبرنی ثابت بن الضحاک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم نہیٰ عن المزارعۃ ، (ص ۲۰۶ ۔ ج ۱۰ ، صحیح المسلم ۔)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن سائب نے روائیت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے عبداللہ بن معقل سے مزارعت کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا مجھے خبر دی ثابت بن ضحاک نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا ،

حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص

عن سعد بن ابی وقاص قال کان الناس یکرون المزارع بما یکون علی الساقی و بما یسقٰی بالماء مما حول البئر فنہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالک وقال اکروا بالذھب و الورق (ص ۲۰۹ ۔ ج ۲ ۔ معانی الاثار للطحاوی ۔)

(ترجمہ) حضرت سعد بن ابی وقاص سے روائیت ہے کہا کہ لوگ کرائے پر دیا کرتے تھے کھیتوں کو بعوض اس پیداوار کے جو نالیوں کے کنارے اگتی اور جو کنویں کے ارد گرد کے پانی سے سیراب ہوتی تھی ، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا اور فرمایا کہ سونے چاندی کے عوض کرائے پر دو ،

حضرت عبداللہ بن عمر کی احادیث

نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ، قال عامل النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر بشطر ما یخرج منہا من ثمر او زرع (ص ۲۱۲ ۔ ج ۔ ۳ ۔ صحیح البخاری و صحیح المسلم ۔)

(ترجمہ) نافع نے عبداللہ بن عمر سے روائیت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں سے معاملہ کیا غلے اور پھلوں کی پیداوار کے نصف پر ،

عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما ، اجلیٰ الیھود والنصاری من ارض الحجاز ، وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لماظہر علی خیبراراد اخراج الیھود منہا و کانت الارض حین ظہر علیہا للہ ولرسولہ و للمسلمین و اراد اخراج الیھود منہا فسألت الیھود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لِیُقِرَّھم بہا ان یکفوا عملہا ولھم نصف الثمر ، فقال لھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقرکم بہا علی ذالک ماشئنا ، فقروا بہا حتی اجلاھم عمر الی تیماء و اریحاء (ص ۲۱۶ ۔ ج ۳ ۔ صحیح البخاری)

(ترجمہ) عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے یہود اور نصاری کو سرزمین حجاز سے جلاوطن کیا ، اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر پر غلبہ پایا تو یہود کو وہاں سے نکالنے کا ارادہ کیا اور جب اس پر غلبہ پایا تو زمین اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی ہوگئی جب یہود کو نکالنا چاہا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ ان کو وہیں ٹھہرنے دیں کاشتکاری و باغبانی کا سب کام وہ کریں گے اور اس کے بدلے ان کے لئے نصف پھل ہوگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا ہم تو کو اس پر ٹھہرنے دیتے ہیں جب تک ہم چاہیں گے چنانچہ وہ ٹھہرے رہے یہاں تک حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں ان کو مقام تیماء اور اریحاء کی طرف جلاء وطن کر دیا ،

عن عمرو بن دینار قال سمعت ابن عمر یقول کنا لانری بالخبر بأسا حتی کان عام اول فزعم رافع ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عنہ و روأیۃ ابن عینیۃ فترکناہ من اجلہ ، (ص ۲۰۱ ۔ ج ۱۰ ۔ صحیح المسلم ۔)

(ترجمہ) عمرو بن دینار نے روائیت کیا یہ کہ اس نے ابن عمر سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم مخابرت میں کچھ حرج نہیں دیکھتے تھے یہاں تک کہ پہلا سال تھا (غالباً حضور کی وفات کا) کہ رافع بن خدیج نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے (ابن عینیہ کی روائیت کے مطابق) پس ہم نے اس حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا ،

عن نافع عن عبداللہ بن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ دفع الی یہود خیبر

Marfat.com

نخل خیبر و ارضہا علی ان یعملو ھا من اموالھم ولرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شطر ثمرھا ، (ص ۲۱۲ ۔ ج ۰ ۔ صحیح المسلم ۔)

(ترجمہ) نافع نے عبداللہ بن عمر سے روائیت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے باغات اور زمینیں یہود کو اس معاہدہ کے تحت دیں کہ وہ تمام کام خرچہ خود کریں گے اور پیداوار نصف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور نصف ان کے لئے ہوگئی ،

احادیث حضرت عبداللہ بن عباس

قال عمر و قلت لطاؤس لو ترکت المخابرۃ فانھم یزعمون ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیٰ عنہ فقال ای عمر و انی اعطیھم و اعینھم ، وان اعلمھم اخبرنی یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ ینہ عنہ ولکن قال ان یمنح احدکم اخاہ خیرلہ من ان یأخَذْ علیہ خرجا معلوما ۔ (ص ۲۱۲ ۔ ج ۳ ۔ صحیح البخاری)

(ترجمہ؛ عمر و بن دینار نے کہا میں نے حضرت طاؤس سے یہ عرض کیا کہ کاش آپ مخابرہ کو چھوڑ دیتے کیونکہ کئی صحابہ کا یہ فرمانا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے ، تو طاؤس نے جواب میں کہا کہ میں اپنے مزارعین کو دیتا اور ان کی مدد کرتا ہوں اور یہ کہ ان صحابہ سے زیادہ علم والے نے مجھے بتلایا ہے یعنی عباس نے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا تم میں سے کسی کا اپنے بھائی کو یونہی بلا معاوضہ زمین دے دینا اس کے لئے بہتر ہے بنسبت اس کے کہ وہ اس پر کوئی متعین معاوضہ لے ، بصورت نقد یا بصورت غلہ ،

عن ابن طاؤس عن ابیہ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لان یمنح احدکم اخاہ خیر لہ من ان یأخذ علیہا کذا و کذا لشئی معلوم قال و قال ابن عباس ہو الحقل و ہو بلسان الانصار المحاقلۃ ، (ص ۲۰۸ ۔ ج ۱۰ صحیح المسلم ۔)

(ترجمہ) ابن طاؤس نے اپنے باپ سے اور اس نے عبداللہ بن عباس سے روائیت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم میں سے کسی کا اپنے بھائی کو مفت زمین دے دینا اس کے لئے بہتر ہے نسبت اس کے کہ وہ اس پر کسی متعین شے سے یہ لے ،

عن ابی القاسم عن ابن عباس قال اعطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر بالشطر ثم ارسل ابن رواحۃ فقاسمھم ، (ص ۲۶۰ ۔ ج ۲ ۔ طحاوی ۔) (ترجمہ) ابو القاسم نے ابن

Marfat.com

عباس سے روائیت کیا کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر نصف پیداوار پر دیا ، پھر ابن رواحہ کو بھیجا اور اس نے پیداوار کو نصف ، نصف تقسیم کیا ،

عن طاؤس عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یحرم المزارعۃ ولکن امر ان یرفق بعضہم ببعض ، (جامع الترمذی ۔)

(ترجمہ) طاؤس نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روائیت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت کو حرام نہیں ٹھہرایا لیکن یہ حکم دیا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نرمی برتیں ،

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یحرم کراء الارض و لکنہ امر بمکارم الاخلاق (طبرانی)

(ترجمہ) حضرت ابن عباس سے روائیت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کراء الارض کو حرام نہیں قرار دیا لیکن مکارم اخلاق کا ارشاد فرمایا ،

احادیث حضرت رافع بن خدیج

عن رافع بن خدیج قال کنا اکثر اہل المدینۃ حقلًا و کان احدنا یکری ارضہ فیقول ہذہ لقطعۃ لی وہذہ لک فربما اخرجت ذہ و لم تخرج ذہ فنہانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۲۱۳ ۔ ج ۳ ۔ صحیح البخاری)

(ترجمہ) حضرت رافع بن خدیج سے روائیت ہے کہ ہم اہل مدینہ میں سب سے زیادہ کھیتوں والے تھے ، ہم میں سے ایک اپنی زمین کرائے پر دیتا تو کاشت کار سے کہتا کہ زمین کا یہ ٹکڑا میرے لئے ہوگا اور یہ تیرے لئے پھر بسااوقات یہ ٹکڑا غلہ پیدا کرتا اور یہ نہ کرتا لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روک دیا ،

عن رافع بن خدیج عن عمہ ظہیر بن رافع قال ظہیر لقد نہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن امر کان بنا رافقا ، قلت ما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہو حق ، قال دعانی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما تصنعون بحقلکم ؟ قلت نواجرہا علی الربع و علی الاوسق من التمر و الشعیر ، قال لاتفعلوا ازرعوہا ، او ازرعوہا ، او امسکوہا ، قال رافع قلت سمعا و طاعۃ ، (ص ۲۱۶ ج ۳ صحیح البخاری ۔)

Marfat.com

(ترجمہ) حضرت رافع بن خدیج نے اپنے چچا ظہیر بن رافع سے روائیت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں روک دیا ایسے معاملے سے جو ہمارے لئے فائدہ مند تھا ، میں نے کہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہی حق ہے ، ظہیر نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلوا کر پوچھا کہ تم اپنی کھیتوں کو کس طرح استعمال کرتے ہو ؟ میں نے جواب میں عرض کیا کہ ہم ان کو اجارے پر دیتے ہیں بعوض چوتھائی پیداوار اور پیمانۂ وسق کے لحاظ سے چھوھاروں اور جو کی مقررہ مقدار پر ، تو اس پر آپ نے فرمایا ، تمہارے لئے تین ہی شکلیں جائز ہیں اول یہ کہ خود کاشت کرو ، ثانی یہ کہ دوسرے کو مفت کاشت کے لئے دے دو ، اور ثالث یہ کہ اپنے پاس بلاکاشت روک رکھو تو رافع نے سن کر کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سر آنکھوں پر ،

عن سلیمان بن یسار عن رافع بن خدیج قال کنا نحاقل الارض علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنکریہا بالثلث والربع والطعام المسمی فجاء نا ذات یوم رجل من عمومتی فقال نہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن امر کان لنانافعا ، وطواعیۃاللہ و رسولہ انفع لنا ، نہانا ان نحاقل بالارض فنکریہا علی الثلث والربع والطعام المسمی و امر رب الارض ان یزرعہا ، او یزرعہا و کرہ کراءھا وما سوی ذالک ، (ص ۲۰۴ ۔ ج ۱۰ ۔ صحیح المسلم ۔)

(ترجمہ) سلیمان بن یسار نے رافع بن خدیج سے روائیت کیا کہ ہم محاقلے پر دیا کرتے تھے زمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وہ اس طرح کہ زمین کرائے پر دیتے تھے بعوض تہائی اور چوتھائی پیداوار اور مقررہ مقدار غلہ کے ، پس ایک دم میرے چچاؤں میں سے ایک آیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسے کام سے روک دیا ہے جو ہمارے لئے نفع بخش تھا لیکن اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری ہمارے لئے سب سے زیادہ نفع بخش ہے آپ نے ہمیں زمین کو معاملہ محاقلہ پر دینے سے روک دیا یعنی اس سے کہ ہم زمین کو دیں تہائی اور چوتھائی اور غلے کی مقررہ مقدار پر ، اور آپ نے حکم دیا کہ زمین والا خود اس کو کاشت کرے یا دوسرے کو بلامعاوضہ کاشت کے لئے دے دے اور اس پر ہر قسم کے معاوضے کو ناجائز بتلایا ،

عن رافع بن خدیج قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ ارض فلیزرعہا اور یزرعہا اخاہ و لایکریہا بالثلث ولا بالربع ولابطعام مسمی ، (ص ۲۰۶ ۔ ج ۲ ۔ طحاوی ۔)

(ترجمہ) حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

جس کی زمین ہو وہ خود اس کو کاشت کرے یا اپنے بھائی کو مفت کاشت کے لئے دے دے اور اس کو پیداوار کی تہائی پر دے اور نہ چوتھائی پر اور نہ غلے وغیرہ کی مقررہ اور متعین مقدار پر ،

عن حنظلة بن قيس انه سأل رافع بن خديج عن كراء الارض بالذهب والورق فقال لا باس به ، انما كان الناس يواجرون على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم على الماذيانات و اقبال الجداول و اشياء من الزراع فيهلك هذا ويسلم هذا ويسلم هذا و يهلك هذا فلم يكن للناس كراء الاهذا فلذالك زجر عنه فاما شيئ معلوم مضمون فلابأس به ، (ص ٢٠٦ - ج ١٠ صحیح المسلم ۔)

(ترجمہ) حنظلہ بن قیس سے روائیت ہے کہ اس نے رافع بن خدیج سے سونے چاندی کے عوض کراء الارض کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کچھ حرج نہیں اور پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ زمین اجارے پر دیا کرتے تھے بعوض اس پیداوار کے جو نالیوں کے سروں اور کناروں پر اگتی اور جو زمین کے بعض خاص حصوں میں پیدا ہوتی تھی ، پھر کبھی ایسا ہوتا کہ ایک جگہ کی کھیتی برباد ہو جاتی اور ایک جگہ کی بچ جاتی اور لوگوں کے لئے معاوضے کے سوائے اس کے اور کوئی شکل نہ تھی لہذا اس وجہ سے اس سے روکا ، لیکن جب شے معلوم ہو اور اس کی ضمانت ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ، (ہمارے نزدیک یہ ضمانت کاشتکار کے لئے ہے)

عن ابى النجاشى مولىٰ رافع بن خديج قال سألت رافعا عن كراء الارض فقلت ان لى ارضا اكريها ؟ فقال رافع لاتكرها بشيئ فانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من كانت له ارض فليزرعها ، فان لم يزرعها فليزرعها اخاه ، فان لم يفعل فليدعها ، فقلت له ارائيت ان تركته و ارضىٰ ، فان زرعها ثم بعث الى من التبن قال لاتأخذ منها شيأ ولاتبناً ، قلت انى لم اشارطه انما اهدىٰ الى شيأ قال لاتأخذ منه شيأ ۔ (ص ١١٦ - ج ١٠ ۔ بلوغ الامانى ترتيب المسند لاحمد)

(ترجمہ) رافع بن خدیج کے غلام ابو النجاشی سے روائیت ہے کہ میں نے رافع سے کراءالارض کے متعلق پوچھا اس طرح کہ میری ایک زمین ہے کیا میں اس کو کرائے پر دے سکتا ہوں تو انہوں نے جواب میں فرمایا کسی شے کے عوض کرائے پر نہ دو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا جس کی زمین ہو وہ خود

Marfat.com

اس کو کاشت کرے ، اگر خود نہیں کرتا تو اپنے بھائی کو یونہی کاشت کے لئے دے دے ورنہ اسے بلا کاشت چھوڑ دے ، پھر میں نے پوچھا یہ بتلائیے کہ میں اس کو چھوڑ دوں اور راضی ہو جاؤں ، پس اس کو وہ کاشت کرے اور مجھے کچھ بھوسہ بھیج دے تو لے سکتا ہوں فرمایا بھوسا وغیرہ کچھ نہ لو ، پھر میں نے کہا میں نے اس سے کوئی شرط نہیں لگائی وہ مجھے محض ھدیۃً بھیج دیتا ہے تو فرمایا اس سے کچھ مت لو ،

(۷) عن مجاہد عن رافع بن خدیج قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تستأجر الارض بالدراہم المنقودۃ اور بالثلث او بالربع ، (ص ۱۱۶ ۔ ۱۰ ۔ بلوغ الامانی ۔)

(ترجمہ) مجاہد نے رافع بن خدیج سے روائیت کیا ، کہا منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہ زمین اجرت پر لی جائے بعوض نقد دراہم وغیرہ کے یا پیداوار کی تہائی یا چوتھائی کے ،

(۸) عن عمرو بن دینار قال سمعت ابن عمر یقول سمعت رافع بن خدیج یقول نہیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المزارعۃ ، (ص ۲۰۶ ۔ ج ۲ ، طحاوی ۔)

(ترجمہ) عمرو بن دینار سے روائیت ہے کہ میں نے ابن عمر سے سنا انہوں نے فرمایا میں نے رافع بن خدیج سے سنا اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا ،

(۹) عن سعید بن المسیب عن رافع بن خدیج قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المزابنۃ والمحاقلۃ وقال انما یزرع ثلاثۃ رجل لہ ارض فھُوَ یزرعہا و رجل منح ارضا اخاہ فھو یزرع ما منح منہا و رجل اکتریٰ بذھب اور فضۃ ، (ص ۲۰۶ ، ج ۲ ۔ طحاوی ۔)

(ترجمہ) سعید بن مسیب نے رافع بن خدیج سے روائیت کیا اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ سے روکا ہے اور کہا صرف تین آدمی کاشت کر سکتے ہیں ایک وہ جس کی اپنی زمین ہو ، اور دوسرا وہ جس کو اس کے بھائی نے منحہ کے طور پر زمین دی ہو وہ منحہ شدہ زمین کو کاشت کرے اور تیسرا وہ جس نے زمین سونے چاندی کے عوض کرائے پر لی ہو ،

(۱۰) عن ابن ابی نعیم قال حدثنی رافع بن خدیج انہ زرع ارضا فمر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہو یسقیہا فسألہ لمن الزرع ولمن الارض فقال زرعی ببذری و عملی لی الشطر و لبنی

Marfat.com

فلان الشطر فقال اربیت ، فرد الارض علی اھلھا و خذ نفقتک ، (ص ۳۰۶ ، ج ۔ ۲ طحاوی ایضاً ابو داؤد میں اربیتما کے الفاظ ہیں)

(ترجمہ) ابن ابی نعیم سے روائیت ہے کہا مجھ سے رافع بن خدیج نے حدیث بیان کی کہ اس نے ایک زمین کو بویا ، پس ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے جبکہ وہ اس کو سینچ رہا تھا ، آپ نے پوچھا کھیتی کس کی ہے اور زمین کس کی ، تو اس نے جواب دیا کھیتی میرے بیج اور عمل سے ہے ، نصف پیداوار میرے لئے ہوگی اور نصف بنی فلاں کے لئے ، اس پر حضور نے فرمایا تم نے سودی معاملہ کیا زمین اس کے مالکوں کو دے دو اور اپنا خرچہ لے لو ،

(۱۱) عن رفاعۃ بن رافع بن خدیج ان رجلًا کانت لہ ارض فعجز عنہا ان یزرعہا فجاءہ رجل فقال لہ ہل لک ان ازرع ارضک فما خرج منہا من شیئی کان بینی و بینک فقال نعم حتیٰ سئال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسالہ فلم یرجع الیہ شیأ قال فاتیت ابابکر و عمر رضی اللہ عنہما فقلت لھما ، فقالا ارجع الیہ الثانیۃ فسالتہ فلم یرد علی شیأ ، فرجعت الیہما فقالا انطلق فازرعہا فانہ لو کان حراما نہاک قال فزرعہا الرجل حتی اھتز زرعہ و احضر و کانت الارض علی طریق رسول اللہ ، فمر بھا یوما فابصر الزرع فقال لمن ھذہ الارض ، فقالوا لِفلان زارع فلانا فقال ادعوھما لی جمیعاً قال فاتیتاہ ، فقال لصاحب الارض ما انفق ھذا فی ارضک فردہ علیہ و لک ما اخرجت ارضک (ص ۱۷۶ ۔ کتاب الاعتبار للحازمی)

(ترجمہ) رفاعۃ بن رافع نے روائیت کیا کہ ایک شخص کے پاس زمین تھی جسے وہ خود کاشت کرنے سے عاجز تھا ، اس کے پاس ایک دوسرا شخص آیا اور کہا کیا آپ قبول کرتے ہیں کہ میں آپ کی زمین کاشت کروں اور جو پیدا ہو وہ ہمارے درمیان تقسیم ہو جائے اس نے کہا ٹھیک ہے لیکن جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں چنانچہ وہ رسول کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے متعلق پوچھا آپ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا ، پھر وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے پاس گیا اور ان سے اس کا تذکرہ کیا انہوں نے فرمایا تم دوبارہ حضور کی خدمت میں جاؤ چنانچہ وہ دوبارہ گیا لیکن اس مرتبہ بھی آپ نے کوئی جواب نہ دیا ، پھر وہ شیخین کے پاس گیا تو انہوں نے فرمایا جاؤ اور معاملہ کر لو کیونکہ اگر یہ حرام ہوتا تو آپ ضرور اس سے روکتے ، پس اس زمین کو دوسرے شخص نے بویا یہاں تک کہ کھیتی لہلہائی اور سرسبز ہوئی اور یہ زمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں واقع تھی آپ ایک دن اس کے پاس سے گزرے اور کھیتی دیکھی تو پوچھا

Marfat.com

یہ کس کی زمین ہے تو لوگوں نے بتایا کہ فلاں کی زمین ہے اور اس نے فلاں کو مزارعت پر دے رکھی ہے ۔ آپ نے فرمایا ۔ دونوں کو میرے پاس بلاؤ ، چنانچہ وہ دونوں آئے ، تو حضور نے زمین والے کو فرمایا ۔ کاشت کار نے جو کچھ تیری زمین میں خرچ کیا ہے اس کو دے دو اور زمین کی تمام پیداوار تیری ہوگی ۔

احادیث مزارعت کا جائزہ

یہ ہیں مزارعت ، مخابرت اور محاقلت سے متعلق وہ مرفوع احادیث جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روائیت کی ہیں اور محدثین کرام نے ان کو صحیح تسلیم کیا ہے ، ان احادیث سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں : اول یہ کہ مدینہ منورہ میں اسلام سے پہلے بھی مزارعت ، مخابرت اور کراالارض کا عام رواج تھا اور اسلام کے بعد بھی کافی عرصہ تک یہ رواج قائم رہا ، دوم یہ کہ اس معاملہ کی عملی طور پر متعدد شکلیں تھیں : ایک یہ کہ اس میں پیداوار کا نصف حصہ مالک زمین اور نصف حصہ کاشتکار کے لئے ہوتا تھا ، دوسری یہ کہ ایک فریق کے لئے پیداوار کا ایک تہای اور دوسرے کے لے دو تہائی ہوتا تھا ، تیسری یہ کہ ایک فریق کے لئے ایک چوتھائی اور دوسرے کے لئے تین چوتھائی ہوتا تھا ، چوتھی یہ کہ مالک زمین کے لئے مقررہ حصہ کے ساتھ ساتھ کچھ اور چیزیں بھی مقرر ہوتی تھیں مثلاً گھنڈیاں یا بھوسے کا کچھ حصہ ، پانچویں یہ کہ اس میں یہ طے ہوتا تھا کہ زمین کے ایک خاص حصے کی پیداوار مالک زمین کے لئے ہوگی جیسے نالیوں کے کنارے یا کنویں کے آس پاس کا حصہ جس میں عموماً پیداوار اچھی اور زیادہ ہوا کرتی ہے مالک اپنے لئے مخصوص کر لیتا تھا اور باقی حصہ کی پیداوار مزارع کے لئے ، اسی طرح ایک چھٹی شکل یہ بھی تھی کہ مالک زمین ، پیداوار کے نسبتی حصہ کے بجائے متعین مقدار میں غلہ یا نقد مقرر کر لیتا تھا جس کو وہ ہر حال میں وصول کرتا تھا خواہ زمین میں کچھ پیدا ہو یا نہ ہو ، غرضیکہ مدینہ میں اس معاملہ کی متعدد اور مختلف شکلیں تھیں جو مالک زمین اور کاشتکار کے مابین طے پاتا تھا ٹھیک اس طرح سے جس طرح کہ قرضوں کی مختلف نوعیت اور شرح سود کی کمی و بیشی کے لحاظ سے ربوا کی متعدد اور مختلف شکلیں تھیں ، سوم یہ کہ مزارعت اور کراالارض کی جو شکلیں کاشتکار کے حق میں نسبتہ زیادہ مضر اور باہمی نزاع کا موجب تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پہلے روکا بوجہ محل نزاع اور موجب اختلاف ہونے کے ، اور باقی تمام شکلوں سے اس وقت منع فرمایا جب قرآن مجید میں تحریم ربوا کا حکم نازل ہوا اور یہ مدنی دور کے آخر میں ہوا ،

Marfat.com

اس وقت تحریم ربوا کے اس قانونی حکم سے وہ تمام معاشی معاملات متاثر ہوئے جو ربا سے ملتے جلتے تھے اور ایسا ہونا ایک بالکل قدرتی امر تھا ، چہارم یہ کہ آپس میں مسلمانوں کی حد تک مزارعت کی تمام شکلیں ممنوع قرار دے دے گئیں البتہ غیر مسلم ذمیوں کے ساتھ حکومت کی سطح پر یہ معاملہ بعض خاص وجوہ کی بنا پر جائز رکھا گیا ، اس کی مثال وہ معاملہ ہے جو فتح خیبر کے بعد معاہدہ صلح کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر کے ساتھ کیا جس کی رو سے کاشتکاری اور باغبانی کے تمام کام اور جملہ اخراجات یہود خیبر کے ذمہ تھے اور پیداوار نصف یہود کے اور نصف مسلمانوں کے مابین تقسیم ہوتی تھی ، اور اس کے سوا یہود سے بطور جزیہ و خراج اور کچھ وصول نہیں کیا جاتا تھا ، پنجم یہ کہ اکثر صحابہ کرام کے نزدیک مسلمانوں کے درمیان مزارعت کی یہ جو ممانعت تھی قانونی نوعیت کی تھی یعنی اس کی پابندی لازم اور ضروری تھی لیکن ایک صحابی کے نزدیک یہ ممانعت اخلاقی نوعیت کی تھی یعنی مزارعت کو ترک کرنا بمقابلہ اختیار کرنے کے بہتر تھا گویا یہ معاملہ حرام نہیں بلکہ مکروہ تھا ، اسی طرح ان بیشتر احادیث سے ایک بات یہ بھی کھل کر نمایاں ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ مالک زمین اپنی زمین کو خود کاشت کرے اور اگر خود کسی وجہ سے کاشت نہیں کر سکتا تو اپنے کسی مسلمان بھائی کو مفت بلامعاوضہ کاشت کے لئے دے دے جو کاشت کر سکتا ہو ، تیسری کوی صورت آپ کے نزدیک پسندیدہ اور مستحسن نہ تھی ،

بہر حال غوز سے دیکھا جائے تو ان مرفوع احادیث میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس میں یہ تصریح ہو کہ مزارعت کا معاملہ مسلمانوں کے درمیان بلا کسی کراہیت کے جائز ہے ، حدیث خیبر میں جس معاملے کا ذکر ہے پہلے تو اس میں ایسی کوی صراحت نہیں کہ یہ معاملہ ، مزارعت کا معاملہ تھا اور اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ یہ معاملہ مزارعت کا معاملہ تھا تو ظاہر ہے کہ یہ آپس میں مسلمانوں کے درمیان نہ تھا بلکہ حکومت کے توسط سے مسلمانوں اور غیر مسلم یہودیوں کے درمیان تھا جو مسلم حکومت کے ذمی رعایا تھے ، اسی عبداللہ بن عباس کی حدیث سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ مزارعت کا معاملہ اگرچہ حرام نہیں لیکن مکروہ ضرور ہے اور اس کا نہ کرنا ، کرنے کے مقابلے میں بہرحال خیر اور بہتر ہے ، بنابریں یہ کہنا بالکل درست ہے کہ مذکورہ بالا مرفوع احادیث میں کچھ اختلاف تو ضرور ہے لیکن حقیقی تعارض ہرگز نہیں ، اور اگر کسی کا یہ خیال ہو اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ ان احادیث کے مابین تعارض پایا جاتا ہے تو پھر آئیے یہ دیکھیں کہ

متعارض حدیث سے رفع تعارض کے لئے محدثین و فقہاء نے جو اصولی ضابطہ مقرر کیا ہے اس کے مطابق کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے ، آپ کو یاد ہوگا کہ اس اصولی ضابطے کے پہلی شق نسخ سے متعلق ہے یعنی یہ دیکھا جائے کہ ان متعارض احادیث میں کون سی بلحاظ زمانہ پہلے کی ہیں اور کون سی بعد کی ہیں جو پہلے کی ہوں ان کو منسوخ اور جو بعد کی ہوں ان کو ناسخ قرار دے کر عمل کے لئے اختیار کر لیا جائے ، چنانچہ اس کے مطابق جب ہم احادیث مزارعت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ مزارعت کے جواز والی احادیث بلحاظ زمانہ متقدم اور عدم جواز والی احادیث متأخر ہیں اور اس کی شہادت وہ قرائن و شواہد دیتے ہیں جو خود ان احادیث کے اندر بھی موجود ہیں اور باہر بھی ، اندرونی اور داخلی قرائن و شواہد کی مثال وہ الفاظ ہیں جو ان احادیث کے اندر ان کے راوی صحابہ کرام نے بیان کئے ہیں ، ذیل میں کچھ وہ الفاظ ملاحظہ فرمائیے :

حضرت جابر کی ایک روایت میں ہے : کانوا یزرعون بالثلث والربع والنصف فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ ارض فلیزرعہا اور لیمنحہا ، (ترجمہ) وہ کاشت کرتے چلے آرہے تھے تہائی ، چوتھائی اور نصف پر پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی زمین ہو وہ خود اس کو کاشت کرے یا اپنے بھائی کو بلا معاوضہ برتنے کے لئے دے دے ، دوسری روایت کے الفاظ ہیں : کنا نخابر قبل ان ینہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخَبرِ ، (ترجمہ) ہم مخابرت کیا کرتے تھے قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرت سے منع فرمایا ، تیسری روایت کے الفاظ ہیں : کنا فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذالارض بالثلث او الربع بالماذیانات فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذالک فقال من کانت لہ ارض فلیزرعہا ، فان لم یزرعہا فلیمنحہا اخاہ ، (ترجمہ) ، ہم رسول اللہ کے زمانہ میں زمین لیا کرتے تھے تہائی یا چوتھائی پر نالیوں کے کناروں کی پیداوار کے ساتھ ، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اس کے متعلق فرمایا ، جس کے پاس زمین ہے وہ خود اسے کاشت کرے اور اگر خود نہیں کرتا تو اپنے بھائی کو مفت کاشت کے لئے دے دے ،

حضرت رافع بن خدیج کی حدیث میں ہے : کنا نحاقل الارض علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنکریہا بالثلث والربع والطعام المسمی فنہانا المسمیٰ وامر رب الارض ان یزرعہا ، اویزارعہا وکرہ کراؤھا وما سوی ذالک ،

Marfat.com

(ترجمہ) ہم محاقلہ پر دیا کرتے تھے زمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یعنی زمین کاشت کے لئے دیتے تھے تہائی اور چوتھائی پیداوار پر اور متعین مقدار میں غلہ پر ، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے روک دیا اور زمین والے کو حکم دیا کہ وہ خود اس کو کاشت کرے یا دوسرے کو کاشت کے لئے دے دے اور اس پر ہر قسم کے معاوضے کو ناجائز ٹھیرایا ،

حضرت سعد بن ابی وقاص کی روائیت کے الفاظ ہیں : کان الناس یکرون المزارع بما یکون علی الساقی و بما یسقیٰ بالما ماحول البئر ، فنہیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالک و قال اکروھا بالذھب و الفضۃ ، حضرت سعد بن ابی وقاص کی اس حدیث سے بظاہر مزارعت کی ایک خاص شکل کا ممنوع ہونا واضح ہوتا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس کے آخری الفاظ مزارعت کی ہر شکل کے ممنوع ہونے پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ "اکروھا بالذھب والفضۃ" کا صاف مطلب یہ ہے کہ سونے و چاندی یعنی نقدی کے عوض ہی زمین کو کرائے پر دے سکتے ہو ، اس کی پیداوار کے کسی حصہ پر نہیں دے سکتے ہو ، لہذا اس سے مزارعت کی ہر شکل کی نفی ہو جاتی ہے ،

چونکہ یہ قاعدہ کہ مضارع کے صیغوں پر جب لفظ کان اور اس کے مشتقات داخل ہوتے ہیں تو ماضی استمراری کے معنے پیدا ہوتے ہیں لہذا "کانوا یزرعون" "کنانخابر" "کناناخذ الارض" "کنانحاقل" اور "کان الناس یکرون" کا مطلب یہ ہوا کہ مزارعت ، مخابرت اور محاقلت کا معاملہ برابر ہوتا چلا آرہا تھا اور مسلمان اس معاملہ کو کرتے چلے آرہے تھے ، اسی طرح فقال اور فنہیٰ میں جو فاء ہے وہ تعقیب اور بعدیت کے لئے ہے لہذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ مزارعت سے نہی اور اس کی ممانعت بعد میں وارد ہوئی ، بالفاظ دیگر یہ فاء اس پر دلالت کرتی ہے کہ مزارعت کے عدم جواز کا حکم بلحاظ زمانہ بعد کا ہے ،

اس سلسلہ میں دو احادیث اور ہیں جن سے قطعی طور پر اس امر کی شہادت فراہم ہوتی ہے کہ مزارعت و مخابرت اپنی ہر شکل میں اس وقت ناجائز اور ممنوع قرار پائی جب تحریم ربا کا قانونی اعلان ہوا اور یہ مدنی دور کے آخر یعنی سنہ نو ہجری میں ہوا جیسا کہ کتب حدیث و تفسیر میں اس کی صراحت ہے ، اور وہ دو احادیث یہ ہیں :

عن ابی الزبیر عن جابر قال لما نزلت الذین یاکلون الربوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ، قال رسول اللہ علیہ وسلم : من لم یذر المخابرۃ فلیوذن بحرب من

Marfat.com

اللہ ورسولہ ، ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ، (ص ۲۸۶ ۔ ج ۲ ۔ المستدرک للحاکم ۔)

(ترجمہ) ابوالزبیر نے حضرت جابر سے روائت کیا کہ جب تحریم ربوا کی آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو شخص مخابرت کو نہ چھوڑے اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے ، یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے ۔

عن ابن ابی نعیم قال حدثنی رافع بن خدیج انہ زرع ارضاً فمر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ہو یسقیہا فسالہ لمن الزرع و لمن الارض ؟ فقال زرعی ببذری و عملی ، لی الشطر و لنبی فلان الشطر ، فقال اربیتما ، فردالارض علی اھلھا و خذ نفقتک ، سنن ابی داؤد ۔

(ترجمہ) ابن ابی نعم سے روائت ہے کہا : مجھ سے بیان کیا رافع بن خدیج نے یہ کہ اس نے ایک زمین کو کاشت کیا ، پس گزرے اس کے پاس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ وہ اس کو پانی دے رہا تھا حضور نے پوچھا کھیتی کس کی اور زمین کس کی ہے ؟ تو اس نے جواب دیا کھیتی میرے بیج اور عمل سے ہے نصف پیداوار میرے لئے ہوگی اور نصف بنی فلاں کے لئے ، حضور نے فرمایا تم نے سودی معاملہ کیا ، پس زمین اس کے مالکوں کے سپرد کر دو اور اپنا خرچہ لے لو ۔

یہ دو حدیثیں صاف بتلا رہی ہیں کہ مزارعت و مخابرت کی ممانعت ، آیات ربوا کے نزول اور تحریم ربا کے بعد عمل میں آئی ، پہلی حدیث تو اس بارے میں اتنی واضح ہے کہ اس میں مزید کسی وضاحت کی نہ ضرورت ہے اور نہ گنجائش البتہ دوسری حدیث کے متعلق اتنی وضاحت کی ضرورت ہے کہ حضور نے اربیتما کا لفظ جو استعمال فرمایا جس کے معنے ہیں تم نے ربا کا معاملہ کیا یا یہ کہ تم ربا میں داخل ہوئے یہ اس وقت فرمایا جا سکتا ہے جب اس سے پہلے ربا کی تحریم و ممانعت ہو چکی ہو ، اور اس پر علماء کا تقریباً اتفاق ہے کہ تحریم ربوا کے آیات بلحاظ نزول آخری ہیں یا چند آخری آیات میں سے ایک ہیں اس کا قطعی طور پر مطلب یہ نکلا کہ مسلمانوں کے مابین مزارعت و مخابرت کی ممانعت بالکل آخر میں ہوئی ، ویسے دیکھا جائے تو عقلی طور پر بھی یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ مزارعت وغیرہ کی ممانعت ، ربا کی ممانعت کے بعد وجود میں آئے کیونکہ معاشی معاملات میں سب سے بڑا اور بد تر معاملہ ، ربوا کا معاملہ ہے جب تک کسی معاشرے میں اس کی رخصت اور آزادی ہو اس وقت تک اس میں مزارعت وغیرہ پر پابندی کا سوال ہی پیدا نہیں

Marfat.com

ہوتا ، مطلب یہ کہ جس ضرورت اور مصلحت کے تحت ایک خاص وقت تک معاملہ ربوا کو برداشت کیا جا سکتا ہے اس کے تحت مزارعت وغیرہ کو بطریق اولیٰ برداشت کیا جا سکتا ہے جو ضرر اور برائی میں بہر حال معاملہ ربوا سے کم ہیں ، برداشت کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ جہاں تک حرام ہونے کا تعلق ہے معاملہ ربوا ظلم پر مبنی ہونے کی وجہ سے روز اول سے حرام تھا سابقہ ادیان اور کتب سماویہ میں اس کی تحریم موجود تھی ، مسلمانوں کو جو کافی عرصہ تک اس سے نہیں روکا گیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ابھی وہ ذہنی و خارجی حالات پیدا نہیں ہو سکے تھے جو اس کے لئے ضروری تھے اور جن کے وجود میں آئے بغیر اگر اس کو ممنوع اور ناجائز قرار دے دیا جاتا تو رد عمل کے طور پر ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑتا جن کی برائی ، معاملہ ربوا کی برائی سے کہیں زیادہ اور شدید تھی لہذا ایک بڑی برائی سے بچنے کے لئے چھوٹی برائی کو ایک خاص وقت تک برداشت کیا گیا ، چنانچہ جب وہ مطلوبہ ذہنی و خارجی حالات پیدا ہوگئے تو اس کے فوراً اسے ممنوع اور حرام قرار دے دیا گیا ، ٹھیک یہی صورت معاملہ مزارعت کے ساتھ بھی پیش آئی ۔

ان مذکورہ دو احادیث کے علاوہ ایک تیسری حدیث بھی ہے جس سے علامہ ابوبکر الحازمی نے مزارعت کے منسوخ ہونے پر استدلال کیا ہے ، اس حدیث کا متن مع ترجمہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے یہاں اس کا خلاصہ پیش کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ علامہ ابوبکر الحازمی اور ان کی کتاب کا کچھ تعارف کرایا جائے ، علامہ ابوبکر الحازمی متوفی ۵۸۴ھ جو اپنے زمانہ کے مانے ہوئے جلیل القدر محدث ہیں انہوں نے احادیث نبویہ کے ناسخ و منسوخ کے موضوع پر ایک کتاب تالیف فرمائی جو اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں میں نہایت مستند اور جامع کتاب ہے اس میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ ایک مسئلہ سے متعلق پہلے وہ احادیث بیان کرتے ہیں جو ان کے نزدیک منسوخ ہیں اور پھر وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جن کو وہ ناسخ سمجھتے ہیں ، مزارعت سے متعلق بھی انہوں نے ایسا ہی کیا ہے پہلے وہ احادیث لائے ہیں جو مزارعت کے جواز پر دلالت کرتی اور ان کے نزدیک منسوخ ہیں اور پھر اس عنوان کے تحت "ذکر خبر یصرح بالاذن والنہی بعدہ" ایک حدیث ذکر کی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مزارعت کی اجازت پہلے تھی اور ممانعت بعد میں ہوئی ، اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ ایک صحابی کے پاس کچھ زمین تھی جسے وہ خود کاشت کرنے سے عاجز و قاصر تھا ایک دوسرے شخص نے اس سے کہا کہ آپ اجازت دیں تو میں آپ کی اس زمین کو کاشت کروں اور پیداوار میرے اور آپ کے درمیان

تقسیم ہو جائے ، اس نے جواب میں کہا میں اس وقت اجازت دے سکتا ہوں جب اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں ، چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا ، آنحضرت نے کوئی جواب نہ دیا ، پھر وہ وہاں سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے پاس پہنچا اور اس بارے میں پوچھا ، انہوں نے کہا تم دوبارہ آنحضرت کی خدمت میں جاؤ اور ان ہی سے پوچھو چنانچہ وہ دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور پوچھا لیکن اس مرتبہ بھی حضور نے کچھ جواب نہ دیا ، وہ پھر حضرات شیخین کے پاس پہنچا اور ان کو بتلایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں یا ناں میں کوئی جواب نہیں دیا ، اس پر انہوں نے فرمایا تم جاؤ اور اس شخص سے معاملہ کر لو ، کیونکہ اگر یہ معاملہ حرام ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور منع فرما دیتے ، یہ سن کر وہ چلا گیا اور دوسرے شخص سے معاملہ کر لیا اور اس نے زمین کاشت کر دی ، یہ زمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک راستہ میں پڑتی تھی ایک دن آپ کا وہاں سے گزر ہوا تو اس سرسبز لہلہاتی کھیتی کو دیکھا کر آپ نے پوچھا کہ یہ زمین کس کی ہے لوگوں نے بتلایا کہ فلاں شخص کی ہے اور اس نے فلاں کو مزارعت پر دی ہے ، یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ دونوں کو میرے پاس بلا لاؤ چنانچہ وہ دونوں حاضر خدمت ہوگئے ، آپ نے زمین کے مالک کو حکم دیا کہ کاشت کرنے والے نے تیری اس زمین میں جو خرچہ کیا ہے اس کو دے دو اور پیداوار سب کی سب تمہارے لئے ہوگی ، اس حدیث میں اس امر کی پوری تصریح ہے کہ ظہور اسلام کے بعد مدینہ منورہ میں ایسا وقت بھی گزرا جس میں مطلق مزارعت کے جواز و عدم جواز سے متعلق کوئی شرعی حکم موجود نہ تھا ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو ضرور بتلا دیتے ، اور بھر آخر میں جو حکم وارد ہوا وہ عدم جواز کا تھا جس کے تحت آپ نے اس معاملے کو فسخ کرایا ،

یہاں یہ بات کچھ اور واضح کر دینے کی ضرورت ہے کہ نہی مزارعت سے پہلے مسلمانوں کا اس معاملے پر جو عمل درآمد رہا وہ کسی مثبت شرعی حکم کے تحت نہ تھا بلکہ قبل از اسلام اس پر جو عمل درآمد ہوتا چلا آرہا تھا اسلام نے بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر ایک خاص وقت تک اس سے منع نہ کیا لہذا اس کا سلسلہ جاری رہا اور عدم ممانعت کی وجہ سے مسلمان اس پر عمل کرتے رہے ، مطلب یہ کہ نہی سے پہلے مزارعت کا جو جواز تھا وہ ایسا نہ تھا جو شارع کے کسی مثبت شرعی حکم سے پیدا ہوتا ہے بلکہ ایسا تھا جو ممانعت کا حکم موجود نہ ہونے کی وجہ سے کسی شے کے متعلق سمجھا جاتا ہے ، اس بات کو ربوا کی مثال

Marfat.com

سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے ، علماء کرام اس کو جانتے اور مانتے ہیں کہ سنہ نو ہجری تک مسلمان ربا کا لین دین کرتے رہے لیکن یہ کوی نہیں کہتا کہ مسلمانوں کے اندر ربا کا یہ لین دین کسی مثبت شرعی حکم کے تحت تھا اس لئے قرآن مجید کی آیت لاتظلمون ولا تظلمون کے مطابق ربا ظلم ہے اور اسلام جس کا مقصد وجود دینا سے ہر قسم کے ظلم کو ختم کر کے اس کی جگہ عدل و قسط قائم کرنا ہے وہ ظلم کو اختیار کرنے کا حکم کیسے دے سکتا ہے یہ دوسرے بات ہے کہ کسی بڑے ضرر سے بچنے کے لئے وہ ایک خاص وقت تک اس سے نہ روکے اور اس کو قانوناً ممنوع نہ قرار دے ، کیا یہ واقع نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اور کسی وقت بھی ربا کا لین دین نہیں فرمایا ، اگر شرعاً اس کا جواز ہوتا تو آپ اظہار جواز کے لئے ایک آدھ مرتبہ اس کا ضرور لین دین کرتے لیکن آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا ، نتیجہ ظاہر ہے ، بنابریں مزارعت کے منسوخ ہونے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ نہی سے پہلے اس کی جو آزادی تھی نہی کے بعد وہ ختم ہوگی اور اس کی جگہ پابندی آگئی ۔

نسخ کے طریقہ سے احادیث مزارعت کا جو جائزہ پیش کیا گیا ہے اگر کسی کو اس سے اتفاق نہ ہو تو پھر آیئے یہ دیکھیں کہ ترجیح کے طریقہ سے کیا نتیجہ سامنے آتا ہے ۔

ترجیح کے طریقہ سے جب ہم احادیث مزارعت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صاف دکھائی دیتا ہے کہ جن احادیث سے مزارعت کا جواز نکالا جاتا ہے ان پر ان احادیث کو کئی وجوہ سے ترجیح حاصل ہے جو عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں ، اس اجمال کی تفصیل سے پہلے یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ جن احادیث کو مزارعت کے جواز میں پیش کیا جاتا ہے وہ دو ہیں : ایک وہ جس میں یہود خیبر کے ساتھ معاملے کا ذکر ہے لیکن جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا دراصل یہ معاملہ ، مزارعت کا معاملہ ہے ہی نہیں بلکہ ایک سیاسی نوعیت کا معاملہ ہے جو غیر مسلم ذمیوں اور اسلامی حکومت کے درمیان طے پایا اور جس کی رو سے خیبر کے اہل ذمہ یہودی جملہ پیداوار کا نصف حصہ اسلامی حکومت کو بطور خراج ادا کرتے تھے ، بہر حال یہ واقعہ ہے کہ یہ معاملہ دو مسلمان شخصوں یا جماعتوں کے مابین نہ تھا بلکہ مسلمانوں اور غیر مسلم ذمیوں کے مابین تھا لہذا غور سے دیکھا جائے تو اس حدیث کا ان احادیث سے کوئی تعارض نہیں جو مسلمانوں کے مابین مزارعت کو ناجائز اور ممنوع قرار دیتی ہیں ۔ (حنفی فقہ کے بانی امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ خراج کا معاملہ تھا اس کا بٹائی کے جواز سے کوئی تعلق نہیں)

Marfat.com

یہود خیبر کے ساتھ مسلمانوں کا جو معاملہ ہوا تھا وہ مزارعت و مخابرت نہ تھا اس کے ثبوت میں کئی دلائل ہیں : پہلی دلیل یہ کہ صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کی ایک بڑی تعداد جن میں ائمہ ربعہ بھی شامل ہیں اس معاملہ کو مزارعت کا معاملہ نہیں سمجھتی تھی ورنہ وہ کبھی بھی مزارعت کے عدم جواز کے قائل نہ ہوتے کیونکہ جس معاملہ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کیا ہو اور آخر دم تک اس پر قائم رہے ہوں اور پھر آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے پورے عہد خلافت میں اور حضرت عمر فاروق نے کافی عرصہ تک اس پر عمل درآمد کیا ہو اس کو کوئی ناجائز کہنے کی کیسے جرات کر سکتا ہے ، چونکہ یہ حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ متعدد صحابہ کرام ، اکابر تابعین اور آئمہ مجتہدین مزارعت کے عدم جواز کے قائل تھے لہذا اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک خیبر کا معاملہ ، مزارعت کا معاملہ نہ تھا ، بلکہ جن صحابہ کرام نے حدیث خیبر کو روائیت کیا ہے وہ بھی اس میں ذکر کردہ معاملہ کو مزارعت نہیں سمجھتے تھے ، مثلاً عبداللہ بن عمر کو لیجئے جو اس حدیث کے ممتاز راوی ہیں انہوں نے جب رافع بن خدیج سے نہی مزارعت کی حدیث سنی تو صحاح ستہ کی روایات کے مطابق انہوں نے جواب میں معاملہ خیبر والی حدیث کو پیش نہیں کیا اور اگر ان کے نزدیک معاملہ خیبر مزارعت کا معاملہ ہوتا تو وہ بلا تامل اس کو پیش کر کے کہہ سکتے تھے کہ آپ کی روائت کیسے صحیح ہو سکتی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر دم تک اس پر قائم رہے لیکن انہوں نے بجائے اس کے یہ کہا :

لقد کنت اعلم فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض تکریٰ

(ترجمہ) بلاشبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ جانتا تھا کہ زمین کرائے پر دی جاتی ہے ،

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں : قد علمت انا کنا نکری مزارعنا علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما علی الاربعاء ۔

(ترجمہ) آپ جانتے ہیں کہ ہم اپنے کھیت کرائے پر دیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نالیوں کے کناروں کی پیداوار کے بدلے ،

ان دونوں عبارتوں میں جس کراءالارض کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس سے مراد معاملہ خیبر والی کراءالارض نہیں بلکہ وہ کراءالارض ہے جو اہل مدینہ کے ہاں رائج چلی آرہی تھی ،

Marfat.com

اسی طرح اس کے بعد اس حدیث کے جو الفاظ ہیں ان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جس کرءالارض کا عبداللہ بن عمر نے ذکر کیا ہے وہ معاملہ خیبر نہ تھا ، الفاظ یہ ہیں :

ثم خشی عبداللہ ان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد احدثِ فی ذالک شیأ لم یکن یعلمہ فترک کراءالارض ، (بخاری و مسلم ۔)

(ترجمہ) پھر عبداللہ ڈرا کہ ہو سکتا ہے کہ اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نیا حکم دے دیا ہو جس کا اسے علم نہ ہو لہذا اس نے کراءالارض کو ترک کر دیا ،

صاف بات ہے کہ جہاں تک معاملہ خیبر کا تعلق ہے عبداللہ بن عمر کو قطعی اور یقینی طور پر معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر دم تک اس پر قائم رہے اور اس کے بعد حضرات شیخین نے بھی کافی عرصہ تک اس کو قائم رکھا لہذا یہ الفاظ کہ ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کوئی نیا حکم فرمایا ہو جو انہیں معلوم نہ ہو" معاملہ خیبر کے بارے میں ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ اس کے متعلق ان کو یقینی علم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کوئی نیا فرمان نہیں دیا ، مزید برآں رافع بن خدیج سے نہی مزارعت کی حدیث سن کر حضرت عبداللہ بن عمر کا اس معاملہ کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دینا اور پھر اس کے عدم جواز کا فتوی دیتے رہنا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک خیبر کا معاملہ مزارعت کا معاملہ نہ تھا ورنہ وہ ایک عملی سنت کو نہ ہمیشہ کے لئے ترک کرتے اور نہ اس کے خلاف فتویٰ دیتے ، نہایت تعجب ہے ان حضرات پر جنہوں نے یہاں یہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمر نے تقویٰ اور ورع کی بنا پر مزارعت کو چھوڑ دیا اور اتنا نہیں سوچا کہ اگر خیبر کا معاملہ ، مزارعت کا معاملہ تھا تو اس کی حیثیت ایک سنت کی تھی لہذا تقویٰ اور ورع اس کے اختیار کرنے میں تھا نہ کہ ترک کرنے میں ، اور پھر عبداللہ بن عمر جیسے عاشق سنت کے متعلق یہ خیال کرنا بھی غلط ہے کہ انہوں نے ایک سنت رسول کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا جو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر سنت پر عمل کرتے تھے اور جب کوئی سنت مل جاتی تو پھر کبھی اس کو نہ چھوڑتے تھے ، اصل بات یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر کے نزدیک خیبر کا معاملہ مزارعت کا معاملہ تھا ہی نہیں ورنہ وہ مزارعت کو کبھی نہ چھوڑتے ۔

معاملہ خیبر والی حدیث کے دوسرے راوی عبداللہ بن عباس ہیں وہ بھی اس معاملہ کو مزارعت کا معاملہ نہیں سمجھتے تھے اس کا اظہار ایک تو عبداللہ بن عباس کی اس

حدیث سے ہوتا ہے جس کو بخاری اور مسلم وغیرہ نے بیان کیا ہے اس حدیث کے الفاظ میں کافی اختلاف ہے لیکن سب کا مجموعی حاصل یہ ہے کہ مزارعت حرام نہیں مکروہ ہے اور یہ کہ اس کا ترک کرنا اختیار کرنے سے بہتر ہے بالفاظ دیگر مستحب یہ ہے کہ جو اپنی زمین کو خود کاشت نہ کر سکتا ہو وہ دوسرے کو مفت بلامعاوضہ دے دے ، بتلائیے اب اگر معاملہ خیبر کو مزارعت قرار دیا جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ العیاذ باللہ ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین نے ایک مستحب اور اولیٰ چیز کو چھوڑ کر مکروہ اور خلاف اولی امر کو اختیار کیا ، لہذا یہ سمجھنا بالکل درست ہے کہ عبداللہ بن عباس کے نزدیک خیبر کا معاملہ مزارعت کا معاملہ نہ تھا ورنہ وہ اس کو مکروہ اور خلاف اولیٰ کبھی نہ کہتے ، اسی طرح اس کا اظہار عبداللہ بن عباس کے اس اثر سے بھی ہوتا ہے جس کو طبرانی نے ذکر کیا ہے ، الفاظ یہ ہیں :

عن ابن عباس اذا اراد احد کم ان یعطی اخاہ ارضا فلیمنحا ایاہ ولا یعطہ بالثلث والربع ،
(کنزالعمال بحوالہ طبرانی ۔)

(ترجمہ) عبداللہ بن عباس سے مروی ہے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو زمین دینا چاہے تو اسے مفت دے تہائی اور چوتھائی پر نہ دے ۔

اس روایت کے آخری الفاظ میں مزارعت کی نہی ہے اور انہوں نے مسلمانوں کو مزارعت سے روکا ہے ، بتلائیے اگر معاملہ خیبر عبداللہ بن عباس کے نزدیک مزارعت کا معاملہ ہوتا تو وہ ایک ایسے معاملے سے کیسے روک سکتے تھے جسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کیا اور آخر دم تک اس پر قائم رہے ، اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ عبداللہ بن عباس کے نزدیک معاملہ خیبر مزارعت نہ تھا ۔

علامہ ابوبکر الحازمی نے اپنی کتاب "الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الاخبار" میں جہاں ان صحابہ کرام اور تابعین کا ذکر کیا ہے جو مزارعت کو فاسد اور ناجائز معاملہ سمجھتے اور قرار دیتے تھے ان میں سر فہرست حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس کا نام ذکر کیا ہے ، ان کی عبارت یہ ہے وقالوا العقد فاسد وروی مثل ذالک عن عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس الخ ،

اس کے علاوہ کچھ دوسرے شواہد و قرائن بھی ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ معاملہ خیبر مزارعت کا معاملہ نہ تھا بلکہ سیاسی نوعیت کا معاملہ تھا مثلاً ایک یہ کہ بعض

Marfat.com

روائیتوں میں اس کی تصریح ہے کہ معاہدہ صلح کے بعد بھی خیبر کی کچھ اراضی یہود خیبر کی ملکیت تھیں چنانچہ حضرت عمر فاروق نے جب ان کو جلاءوطن کیا تو وہ اراضی ان سے خریدی اور معاوضہ ادا کیا ، بیہقی کی روائیت ہے جسے علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے الفاظ یہ ہیں :

عن عمر بن عبدالعزیز قال لما استخلف عمر اجلی اہل نجران و اہل فدک و تیماء واہل خیبر واشتریٰ عقارہم واموالھم (ص ۹ ۔ ج ہ ۔ فتح الباری ۔)

(ترجمہ) حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روائت ہے کہ جب حضرت عمر فاروق خلیفہ مقرر ہوئے انہوں نے کچھ عرصہ بعد جب اہل نجران ، اہل فدک و تیماء اور اہل خیبر کو جلاءوطن کیا تو ان کی زمینیں اور دیگر اموال ان سے خریدے ۔

دوسری روائت جو ابن ابی شیبہ سے نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :

عن یحی بن سعید ان عمر اجلیٰ اہل نجران و الیہود و النصاری واشتری بیاض ارضہم و کرومہم ۔

(ترجمہ) یحی بن سعید سے روائت ہے کہ حضرت عمر فاروق نے اہل نجران اور یہود و نصاری کو جلاوطن کیا اور ان کی زمینیں اور باغات خریدے ۔

المبسوط للسرخسی میں اس رقم کی مقدار نوے ہزار دینار لکھی ہے جو حضرت عمر نے بیت المال سے ان جلاءوطن ہونے والوں کو دی ، الفاظ یہ ہیں : فانہ امر باموالھم فقومت بتسعین الف دینار فدفعہا الیہم واجلاہم و قبض اموالھم (ص ہ ۔ ج ۲۳ ۔ المبسوط ۔) ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان ان زمینوں کے مالک نہیں تھے بلکہ ان کے مالک خود اہل ذمہ یہود و انصاری تھے ورنہ ان سے خریدنے اور ان کو معاوضہ دینے کا مطلب ہی کیا ہو سکتا ہے ، اور جب اس کو تسلیم کر لیا جائے کہ مسلمان اراضی خیبر کے مالک نہیں تھے جیسا کہ مذکورہ روایات سے واضح ہوتا ہے تو پھر معاملہ خیبر کو مزارعت کہنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا کیونکہ مزارعت کے لئے ضروری ہے کہ زمین کا مالک خود کاشتکار نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا ہو ۔

اسی طرح معاملہ خیبر کے متعلق بعض روایات میں جو تفصیل ہے کہ اراضی خیبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھتیس حصوں میں تقسیم فرمایا ، ان میں سے اٹھارہ

Marfat.com

حصے غانمین کے لئے متعین فرمائے جن میں آپ کا حصہ بھی شامل تھا اور باقی اٹھارہ حصے اجتماعی مصارف اور ملی حاجات کے لئے مقرر فرمائے ، اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر کی مفتوحہ اراضی کو دوسرے اموال غنیمت کی طرح غانمین کی ملکیت قرار نہیں دیا ورنہ فرمان الہی کے مطابق خمس نکال کر باقی سب زمین غانمین میں تقسیم فرما دیتے، بلکہ بعض روایات میں یہ بھی صراحت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کرنے والے غانمین کے لئے اراضی خیبر کے الگ الگ حصے مقرر نہیں فرمائے تھے بلکہ حاصل ہونے والی مجموعی پیداوار میں سے پیمانہ وسق کے لحاظ سے ان کے لئے حصے مقرر تھے چنانچہ حکومت کا نمائیندہ تمام غلوں اور پھلوں کا جو نصف حصہ وصول کر کے لاتا تھا مقررہ حصوں سے وہ ان کے درمیان تقسیم ہو جاتا تھا، ازواج مطہرات کی حد تک ان حصوں کی کچھ تفصیل صحیح البخاری میں اور پوری تفصیل سیرۃ ابن ہشام وغیرہ میں ملتی ہے ، غرض یہ کہ جب اراضی خیبر غانمین خیبر کی ملکیت ہی نہ تھیں تو معاملہ خیبر کے مزارعت ہونے کا احتمال ہی باقی نہیں رہتا ۔

اسی طریقہ سے حدیث خیبر میں یہ جو الفاظ ہیں کہ "نقرکم بھا علی ذالک ماشئنا" ہم تمہیں اس معاہدہ پر برقرار رکھیں گے جب تک ہم چاہیں گے ، یہ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کہ معاملہ خیبر ، معاملہ مزارعت نہ تھا کیونکہ مزارعت میں مدت کا تعین ضروری ہوتا ہے اور یہ الفاظ عدم تعین کو ظاہر کرتے ہیں ۔

معاملہ خیبر کے معاملہ مزارعت نہ ہونے پر ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ یہود خیبر جن کی حیثیت اہل کتاب ذمیوں کی تھی سوائے پیداوار کے نصف حصہ کے اسلامی حکومت کو اور کچھ ادا نہیں کرتے تھے حالانکہ خدائی حکم کے مطابق ان پر جزیہ یا خراج عائد ہوتا تھا جس کا وصول کرنا مسلمان حکومت کے لئے ضروری تھا ۔ اب اگر اس معاملہ کو مزارعت قرار دیا جاے اور یہ کہا جائے کہ یہود غلے وغیرہ کا جو نصف حصہ ادا کرتے تھے وہ بطور مزارعت کے تھا تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے یہود خیبر کی حد تک قرآنی حکم پر عمل نہ کیا جس کا خیال کرنا بھی گناہ ہے ، اور اگر یہ کہا جائے کہ یہود کے ساتھ جو معاملہ ہوا تھا وہ مسلمان حکومت اور ذمی رعایا کے مابین ایک سیاسی نوعیت کا معاملہ تھا اور ان سے جو کچھ وصول کیا جاتا تھا وہ بطور خراج مقاسمت کے تھا تو اس سے مذکورہ خرابی لازم نہیں آتی ، اس بات کی تائید کہ یہود خیبر سے ان کی پیداوار کا جو نصف حصہ لیا جاتا تھا وہ بطور خراج مقاسمت کے تھا

Marfat.com

اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ بیان ہے کہ جب یہود خیبر کو خیبر سے جلاءوطن کر دیا گیا تو ان پر نقد جزیہ مقرر کیا گیا جو وہ اسلامی حکومت کو بحیثیت ذمی کے ادا کرتے تھے حالانکہ اس سے پہلے ان سے نقد جزیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا لہذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جلاءوطنی سے پہلے یہود سے جو غلہ وغیرہ وصول کیا جاتا تھا وہ بطور خراج و جزیے کے تھی ۔ حضرت امام ابو حنیفہ کی بعینہ یہی رائے تھی جس کو کتب فقہ مبسوط السرخسی ، ہدایہ اور بدائع الصنائع وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے اور کسی نے اس کو رد نہیں کیا اور کوئی اس کے جواب میں معقول دلیل پیش نہیں کر سکا ۔

غرض یہ کہ معاملہ خیبر سے متعلق سطور بالا میں جو امور عرض کئے گئے ہیں ان سے یہ بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ جواز مزارعت کے لئے حدیث خیبر سے استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ اس میں جس معاملہ کا ذکر ہے اس کے مزارعت نہ ہونے پر متعدد احتمالات ہیں ۔ لہذا اس قاعدہ کی رو سے کہ "اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال" استدلال مذکور باطل قرار پاتا ہے ۔ پھر جب حدیث خیبر مزارعت سے متعلق ہے ہی نہیں تو اس کا ان احادیث سے تعارض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو مزارعت کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں ۔

ساتواں باب

مسئلہ ملکیتِ زمین پر ایک تنقیدی نظر

ہمارے ہاں اس وقت صورت یہ ہے کہ

(۱) اگر کوئی شخص کسی کو ایک ہزار روپیہ قرض دے اور سال کے بعد اس سے اصل رقم کے علاوہ پچاس روپے زاید لے لے ۔ تو اسے حرام قرار دیا جاتا ہے ۔ لیکن

(۲) اگر وہی شخص ، ایک ہزار روپے کی زمیں خرید کر دوسرے شخص کو کاشت کے لیے دیدے اور سال کے بعد اس سے دو سو روپیہ بطور ٹھیکہ یا بٹائی لے لے ، تو اسے شرعاً جائز قرار دیا جاتا ہے ۔

آج سے کچھ عرصہ پہلے ، یہ مسئلہ زیر بحث آیا اور ایک گروہ نے کہا کہ دوسری شکل بھی بالکل ربوٰ کی سی ہے اس لیے یہ بھی جائز نہیں ہو سکتی ۔ لیکن دوسرے گروہ نے کہا کہ نہیں ۔ زمین کو کرایہ یا بٹائی پر دینا بالکل جائز ہے ۔ اس دوسرے گروہ کی نمائندگی ، محترم ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے کی تھی ۔ انہوں نے اپنی کتاب "مسئلہ ملکیت زمین" میں ، اپنے مخصوص شدت مندانہ انداز میں لکھا تھا کہ ایک شخص جتنی بھی چاہے زمین خرید سکتا ہے اور پھر بٹائی یا ٹھیکہ پر دے کر کاشت کار (مزارعہ) سے متعینہ پیداوار یا رقم لے سکتا ہے ۔ یہ مسئلہ دینی نقطۂ نگاہ سے یوں بھی بڑا اہم ہے کیونکہ اس کا بنیادی تعلق قرآن کے معاشی نظام سے ہے ۔ لیکن پاکستان میں اس کی عملی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس ملک کی معاشی بنیاد زراعت پر ہے ۔ کمشنر پاکستان ایگریکلچرل سینس نے حال ہی میں اپنی تحقیقات کے جو نتائج شائع کیے ہیں ، ان میں بتایا گیا ہے کہ مغربی پاکستان میں کل رقبہ زیر کاشت قریب دو کروڑ ستاون لاکھ ایکڑ ہے ۔ جس میں سے قریب ایک کروڑ سولہ لاکھ ایکڑ زمین ، ایسے مزارعہ کاشت کرتے ہیں جنہیں مالکانہ حقوق حاصل نہیں یعنی اس قدر رقبہ اراضی کے مالک کوئی اور ہیں اور کاشت اور لوگ کرتے ہیں ۔ یہ کاشت کار سال بھر محنت کرتے رہتے ہیں اور "زمینوں کے مالک" ان کی کاڑھے پسینے کی کمائی کا نصف حصہ گھر بیٹھے لے جاتے ہیں ۔ اس وقت تو

ملک میں غیر قرآنی نظام معیشت رائج ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہاں قرآنی نظام معیشت رائج کیا جائے تو کیا اس وقت بھی اس صورت حالات کو جائز قرار دیا جائے گا؟ قرآن کریم کی رو سے تو اس کا جواب واضح ہے کہ زمین پر کسی کی انفرادی ملکیت ہی نہیں ہو سکتی ، اس لیے کسی "مالک" کا اپنے قطعۂ اراضی کو ٹھیکے یا بٹائی پر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ قرآن کی رُو سے ذرائع پیداوار امت کی تحویل میں رہتے ہیں تاکہ ان سے تمام ضرورت مندوں کی ضروریات پوری ہوتی رہیں ۔ نیز قرآن کی رو سے جو دولت اپنی محنت سے نہ کمائی جائے وہ ربٰو ہے ۔ لیکن مودودی صاحب نے اس مسئلہ پر احادیث اور فقہ کی روشنی میں بحث کی تھی ۔ ہم نے احادیث اور فقہ کی رو سے ہی مودودی صاحب کے مؤقف کے تجزیہ کر کے بتایا ہے کہ انہوں نے کس قدر تضاد بیانی سے کام لیا ہے اور ان کا مسلک کس قدر غلط ہے ۔

مسئلہ مزارعت کے عدم جواز پر مولانا مناظر احسن گیلانی اور مولانا حکیم حیدر زمان صدیقی کے تحقیقی مقالاتِ منظر عام پر آ چکے ہیں ۔ مولانا مودودی مزارعت کے جواز کے قائل ہیں اور اس مسئلہ پر انہوں نے اپنی کتاب "مسئلہ ملکیت زمین" میں نہایت تفصیل سے بحث کی ہے لیکن اگر ایک لمحہ کے لیے بھی عقیدت کی عینک اتار کر اس بحث پر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مباحث متضاد اور ان کے بیانات غلط بیانیوں کو مرقع ہیں ۔

مولانا کے طویل مباحث کو اگر سمیٹا جائے تو مندرجہ ذیل آٹھ نکات بنتے ہیں ۔

۱ ۔ انہیں اس چیز پر ناز ہے کہ انہوں نے مزارعت کے سلسلہ میں تمام احادیث کو یکجا کر دیا ہے ۔ خود لکھتے ہین۔

غالباً اس سلسلہ کی کوئی قابل ذکر اور لائق اعتنا روایت ہم سے چھوٹی نہیں گئی ۔ آئیے اب ہم ذرا پر ان تنقیدی نگاہ ڈال کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ آیا فی الواقع اسلام کا مسلک وہی ہے جو ان کثیرالتعداد روایات سے ظاہر ہوتا ہے ۔
(مسئلہ ملیکتِ زمین طبع دوم ۔ صفحہ ٦٨)

۲ ۔ مولانا مزارعت کے عدم جواز پر تمام مرفوع حدیثوں کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ان کے مقابلہ میں وہ خیبر کے واقعہ کو پیش فرما کر کہتے ہیں کہ احادیث میں مزارعت کی ممانعت

Marfat.com

آیا کرے مگر چونکہ خیبر کا عمل اس کے خلاف تھا اس لیے وہ ممانعت کے متعلق تمام احادیث کی تاویل کرتے ہیں اور واقعۂ خیبر کو عملی سند اور بنیاد تسلیم کرتے ہیں ۔ مولانا رقمطراز ہیں :

"یہ (واقعہ خیبر) عہد نبوت و خلافت کے مشہور ترین واقعات میں سے ہے اور اس کی صحت میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے ۔ اس میں صریح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ نبی (ص) نے خود بٹائی کے لیے زمین کاشت کے لیے دی ہے اپنی طرف سے بھی ، حکومت کی طرف سے بھی ، اور ان پندرہ سو افراد کی طرف سے بھی جن کا حصہ خیبر میں تھا ۔ اس طریقہ پر آپ اپنے آخری لمحۂ حیات تک عامل رہے اور آپ کے بعد شیخین کا عمل بھی اسی پر رہا ۔ کیا اس کے بعد کسی کو یہ گمان ہو سکتا ہے کہ اسلامی قانون میں بٹائی پر زمین کاشت کے لے دینا ممنوع تھا) اس کے جواب میں جو لوگ کہتے ہیں کہ خیبر کا معاملہ بٹائی کا نہیں خراج کا معاملہ تھا ۔ ان کی بات صحیح نہیں ہے ۔ خیبر کی آدھی زمین جو حکومت کی ملک قرار دی گئی تھی اس کی بٹائی تو بے شک خراج تھی لیکن جو بقیہ اراضی مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی گئی تھیں ان کی بٹائی کو خراج کا نام کیسے دیا جا سکتا ہے اسی طرح جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خیبر کے یہودی باقاعدہ ذمی رعایا نہیں تھے کیونکہ ان پر جزیہ نہیں لگایا گیا تھا اس لیے مسلمان مجاز تھے کہ ان سے جو چاہتے لیتے ۔ ان کی بات بھی صحیح نہیں ہے ۔ سب کو معلوم ہے کہ قرآن مجید میں جزیہ کے احکام غزوۂ خیبر کے وقت نازل ہی نہ ہوئے تھے پھر بھلا احکام جزیہ کی غیر موجودگی میں جزیہ ساقط نہ کئے جانے پر کسی قانونی استدلال کی بنا پر کیسے رکھی جا سکتی ہے ۔ اہل خیبر کا ذمی ہونا تو اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت نے ان کو ایک باضابطہ قرار داد کے مطابق اپنے ملک میں آباد رہنے دیا ، ان پر خراج عائد کیا اوران پر دیوانی و فوجداری قوانین اسی طرح نافذ کئے جس طرح مسلمان رعایا پر نافذ کئے جا رہے تھے ۔ ابو داؤد کی روایت ہے کہ جب خیبر کی قرارداد ہو چکی اور مسلمان یہودیوں کی بستیوں میں چلنے پھرنے لگے تو بعض مسلمان یہودیوں پر کچھ دست درازی کر بیٹھے اس کی شکایت یہودیوں نے نبی صلعم سے کی ۔ اس پر آپ نے ایک خطبہ دیا ۔ اور اس میں فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے یہ حلال نہیں کیا ہے کہ اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت گھسو اور ان کے بال بچوں کو مارو پیٹو اور ان کے پھل کھا جاؤ ۔ حالانکہ جو کچھ ان پر واجب تھا وہ انہوں نے تم کو ادا کر دیا ہے ۔ کیا یہ اہل خیبر کے ذمی ہونے کی کھلی دلیل نہیں ہے ۔ اسلامی قانون فوجداری

Marfat.com

میں قسامت کے قاعدہ کا تو ماخذ ہی وہ واقعہ ہے جو خیبر میں ایک مسلمان کے خفیہ قتل کا پیش آیا تھا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں کو قانون کی نگاہ میں مسلمانوں کے برابر حیثیت حاصل تھی ۔"

(مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۷۶)

حکیم حیدر زمان صدیقی مرحوم کا جو مضمون ترجمان القرآن میں شائع ہوا تھا اس پر تنقیدی نوٹ مولانا مودودی نے یہ لکھا تھا ۔

"جناب مصنف نے خیبر کے معاملہ کو جس سرسری طریقہ سے ٹالنے کی کوشش کی ہے ۔ یہ معاملہ اس طرح ٹال دینے کے لائق نہیں دراصل یہ جواز مزارعت کے حق میں سب سے بڑی حجت اور امتناع مزارعت کے خلاف سب سے زیادہ مضبوط دلیل ہے ۔ خیبر کو نبی صلعم نے دو حصوں میں تقسیم فرمایا تھا ۔ ایک حصہ حکومت کی ملکیت تھا اور دوسرا حصہ ان مجاہدین پر تقسیم کیا گیا تھا جو جنگ خیبر میں شریک ہوئے تھے ۔ دونوں حصوں کے بارے میں یہودیوں سے نصف نصف کی بٹائی پر معاملہ ہوا تھا ۔ پہلے حصے کی بٹائی تو ظاہر ہے کہ خراج تھی لیکن دوسرے حصہ کی بٹای جس میں خود حضور صلعم کا اپنا ذاتی حصہ بھی شامل تھا ، یقیناً مزارعت کے سوا اور کسی تعریف میں نہیں آ سکتی یہ معاملہ چاہے اجتماعی طریقہ پر طے پایا لیکن جو زمین مجاہدین پر تقسیم کی گئی تھی اس کے مالک یہ مجاہدین فرداً فرداً ہی قرار دیئے گئے تھے ۔ ہر ایک کی زمین کے الگ الگ حدود مقرر کر دیئے گئے تھے ہر ایک کو بٹائی میں ایک متعین حصہ دیا جاتا تھا ۔ نبی صلعم اس میں سے خود بھی ایک مقرر حصہ پاتے تھے ایسے کھلے کھلے معاملہ کو آخر مزارعت کی تعریف سے آپ کس طرح خارج کر سکتے ہیں ۔ محض اتنی سی بات سے اس معاملہ کی اصولی نوعیت میں کیا فرق پڑ جاتا ہے کہ بٹائی کی شرائط ایک ایک شخص نے فرداً فرداً طے نہیں کی تھیں بلکہ امیر قوم نے سب کی طرف سے اکٹھا معاہدہ کر دیا تھا ۔ اب آپ خود سوچ لیجئے کہ جس طریق معاملہ پر نبی صلعم اپنی حیات طیبہ کے آخری لمحہ تک خود عامل رہے ۔ پھر حضرت ابوبکر رض نے اپنے پورے دورِ خلافت میں اور حضرت عمر رض نے اپنی خلافت کے ابتدائی عہد میں جس پر عمل کیا وہ حرام کیسے ہو سکتا ہے ۔

(ترجمان القرآن جلد ۳۴ ۔ عدد ۳۔۳۔۴۔۵ صفحہ ۱۶۴)

Marfat.com

۳ ۔ مزارعت کے امتناع کے متعلق حضورؐ کی جتنی رویات وارد ہوئی ہیں مودودی صاحب کا خیال ہے کہ ان کا مقصود اصل میں امتناع نہیں بلکہ صرف احسان اور فیاضی کی تعلیم دینا ہی آپ کا مطمح نظر تھا ۔

۴ ۔ مضاربت چونکہ تمام فقہاء اور آئمہ کے نزدیک جائز ہے اس لیے مزارعت کو بھی اصول مضاربت کے تحت جائز ہونا چاہیے ۔

۵ ۔ مزارعت سود نہیں اور اسلام بغیر محنت کے کمائی ہوئی دولت کو بھی حلال و طیب قرار دیتا ہے ۔

۶ ۔ امت مسلمہ کے آئمہ اربعہ نے مزارعت کے متفقہ طور پر ناجائز ۔ فاسد ، باطل اور حرام بتایا ہے ۔ مودودی صاحب ان کے اقوال کے تاولات خود انہی کے فقہی مذاہب سے پیش کرتے ہیں ۔

۷ ۔ مولانا کا خیال ہے کہ اسلام نے ملکیت کی مقدار پر کوئی حد مقرر نہیں کی تو پھر زرعی جائیداد میں وہ کون سی خصوصیت ہے کہ شریعت اسے محدود کرے ۔

۸ ۔ آخر میں حضرت مولانا نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے دین کو سمجھنے میں اپنی عمر صرف کر دی ہے اس لیے وہ اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور دوسرے لوگ جو اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کر رہے ہیں وہ کم علم ہیں اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ دین حق کو بازیچۂ اطفال نہ بنائیں ۔

یہ ہیں مولانا مودودی کے وہ آٹھ مرکزی نکات جن پر ان کی پوری کتاب گھومتی ہے ۔ اب متذکرہ نکات پر ایک تنقیدی نظر ڈالیے اور انہی کی دوسری عبارات کو پڑھیے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ان کے بیان میں کتنا تضاد ہے اور بعض مقامات پر انہوں نے کتنی غلط بیانی سے کام لیا ہے ۔

پہلا نکتہ احادیث کا استقصاء

آپ پڑھ چکے ہیں کہ مولانا کو اس مسئلہ کی پوری احادیث بیان کر دینے کا زعم ہے ۔ اور بلاشبہ انہوں نے کافی رویات جمع کر لی ہیں ۔ آپ بھی ایک نظر ان احادیث کو دیکھ لیجئے اور پھر سوچئے کہ حضور کے اس قدر اقوال کو محض خیبر کے واقعہ سے رد کر دینا کتنی بڑی زیادتی ہے ۔

۱ ۔ حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ کے زمانہ میں زراعت کے لیے تہائی ، چوتھائی یا غلہ کی کوئی خاص مقدار متعین کر کے زمین بٹائی پر لیتے تھے ۔ ایک روز میرے چچاوں میں سے ایک آئے اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ نے ہمیں ایک ایسے کام سے روکا ہے جو ہمارے لیے نفع بخش تھا مگر اللہ اور رسول کی فرمانبرداری زیادہ نفع بخش ہے ۔ حضور صلعم نے ہم کو اس بات سے منع کر دیا ہے کہ ہم زمینوں میں مزارعت کا معاملہ کریں ، تہائی چوتھائی ، یا مقرر مقدار کے غلہ کے عوض انہیں کرایہ پر دیں ۔ آپ نے حکم دیا ہنے کہ مالک زمین یا تو کاشت کرے یا کسی دوسرے بھائی کو کاشت کے لیے دے دے اور آپ صلعم نے زمین کے کرائے کو اس کے علاوہ دوسری صورتوں کو ناپسند فرمایا ہے ۔

(مسلم)

۲ ۔ حضرت رافع ایک دوسری روایت میں اپنے چچا کا نام ظہیر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان سے نبی صلعم نے پوچھا تم لوگ کھیتی باڑی میں کس قسم کا معاملہ کرتے ہو ۔ انہوں نے مزارعت کی تفصیل بیان کی ۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو یا تو خود کاشت کرو یا کسی اور کو دیدو اور یا پھر روک رکھو ۔

(بخاری ۔ مسلم ۔ ابن ماجہ)

۳ ۔ حضرت رافع اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی کھیتی کو پانی دے رہا تھا وہاں سے حضور صلعم کا گزر ہوا تو پوچھا یہ کس کی کھیتی ہے اور کس کی زمین ہے ؟ میں نےعرض کیا یہ میری کھیتی ہے اس میں تخم اور عمل میرا ہے ۔ آدھی پیداوار میری ہو گی اور آدھی مالک زمین قبیلہ کی ۔ آپ صلعم نے فرمایا کیا تم سود کا کاروبار کرتے ہو ۔ زمین مالکوں کو واپس کر دو اور ان سے اپنا خرچ وصول کر لو

(ابو داؤد)

۴ ۔ مجاہد کی روایت ہے کہ رافع بن خدیج نے کہا ۔ حضور نے ہمیں ایک ایسے فعل سے روکا جو نفع بخش تھا یعنی اس بات سے اگر کسی کے پاس کچھ زمین ہو تو یا تو وہ کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو یونہی دیدے ۔

(ترمذی)

۵ ۔ سعید بن مسیب نے رافع بن خدیج سے روایت کی کہ رسولِ خدا نے محاقلہ (بٹائی پر

Marfat.com

کاشت کرنا) اور مزابنہ (درختوں پر کھجور کی بیع) سے منع فرمایا اور فرمایا کہ زراعت تین ہی آدمی کر سکتے ہیں ۔ ایک وہ جس کی اپنی زمین ہو او ر خود کاشت کرے ۔ دوسرا وہ جسے یونہی زمین دی جائے اور وہ کاشت کرے ۔ تیسرا وہ جو سونے چاندی پر زمین کرایہ پرلے ۔ (ابو داؤد ۔ ابن ماجہ ۔ نسائی) ۔ ۔ ۔ مگر نسائی نے ایک دوسری روایت کے ذریعہ بتایا ہے کہ اس حدیث کا پہلا ٹکڑا یعنی نھٰی رسول اللہ من المحاقلہ والمزابنتہ ہی حضورؐ کا فرمان ہے ۔ باقی سعید بن مسیب کے تشریحی الفاظ ہیں جنہیں روایت میں خلط ملط کر دیا گیا ہے ۔

٦ ۔ سلیمان بن یسار رافع بن خدیج سے جو روایت نقل کرتے ہیں اس میں رافع اپنے چچا کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ۔ جس کے پاس زمین ہو وہ غلہ کی کوئی مقدار متعین کر کے اسے کرائے پر نہ دے ۔ دوسری روایت کی رو سےان کے چچا نے بیان کیا کہ جس کے پاس زمین ہو وہ خود زراعت کرے یا اپنے کسی بھائی کو دیدے مگر کرائے پر نہ دے نہ تہائی پر ، نہ چوتھائی پر ، اور نہ ہی کسی مقرر مقدار غلہ پر ۔

(ابن ماجہ ، ابو داؤد ، نسائی)

۷ ۔ رافع بن خدیج کے صاحبزادے اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابو رافع نے حضورؐ کے پاس سے آکر بیان کیا کہ آج حضورؐ نے ہمیں ایسے کام سے روک دیا جو نفع بخش ہے مگر اللہ اور رسول کی اطاعت ہمارے لیے زیادہ نفع بخش ہے ۔ آپؐ نے ہمیں اسبات سے منع فرما دیا کہ کوئی شخص کسی زمین میں زراعت کرے مگر یہ کہ یا تو وہ خود مالک ہو یا کوئی دوسرا شخص اسے بلا معاوضہ زراعت کے لیے دے ۔

(ابو داؤد)

۸ ۔ ابن عمر کی روایت ہے کہ ہم اپنی زمین کرانے پر دیتے تھے مگر جب رافع بن خدیجؓ کی روایت سنی تو یہ کام چھوڑ دیا ۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم مخابرہ یعنی بٹائی پر کاشت کا معاملہ کرتے تھے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے پھر رافع نے دعویٰ کیا کہ اللہ کے رسول نے اس سے منع کیا تھا ۔ لہٰذا ان کے قول پر ہم نے یہ فعل چھوڑ دیا ۔

(مسلم ، ابو داؤد ، ابن ماجہ)

Marfat.com

جابر بن عبد اللہ کی روایات

۹ ۔ حضورؐ نے کرائے پر زمین دینے سے منع فرما دیا ۔

۱۰ ۔ حضورؐ نے بٹائی پر زمین دینے سے منع فرما دیا ۔ (مسلم)

۱۱ ۔ حضورؐ نے اس بات سے منع فرما دیا کہ زمین اجرت یا پیداوار کے حصہ پر کاشت کے لیے دی جائے ۔ (مسلم)

۱۲ ۔ آپ کا فرمان ہے کہ جس کے پاس زمین ہو اسے چاہیے کہ خود کاشت کرے اگر خود نہ کرے تو کسی بھائی کو دیدے یہ حدیث مختلف روایتوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے ۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ۔ جس کے پاس فاضل زمین ہو اس کو چاہیے کہ یا خود کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو دیدے ۔ لیکن اگر وہ نہ دینا چاہے تو پھر اپنی زمین کو روک رکھے ایک اور روایت میں ہے کہ ہبہ کر دے یا عاریتہً دیدے ۔ ایک اور روایت میں ہے اسے اجرت پر نہ دے ۔ ایک اور روایت میں ہے اسے کرایہ پر نہ دے ۔

(بخاری ۔ مسلم ۔ ابن ماجہ)

۱۳ ۔ حضورؐ نے خالی زمین کو دو تین سال کے لیے بیچنے سے منع فرما دیا ۔ (مسلم)

۱۴ ۔ حضرت جابر نے حضورؐ سے مزابنہ و محاقلہ کی ممانعت سنی تھی ۔ پھر حضرت جابر نے خود ہی تصریح کر دی کہ مزابنہ سے مراد کھجوروں کے بدلے ثمر بیچنا ہے اور محاقلہ سے مراد ہے زمین کو کرایہ پر دینا ۔ (مسلم)

۱۵ ۔ میں نے رسول خدا صلعم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص مزارعت نہ چھوڑے وہ اللہ اور رسول سے لڑائی کے لیے تیار ہو جائے ۔ (ابو داؤد)

مزید تائیدی روایات

۱۶ ۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہو یا خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو بلا معاوضہ دیدے لیکن اگر نہ دینا چاہے تو پھر روک رکھے ۔ (بخاری ۔ مسلم ۔ ابن ماجہ)

Marfat.com

۱۷ ۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرما دیا ۔ (مسلم ۔ ترندی)

۱۸ ۔ حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ حضورؐ نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ۔ مزابنہ کا مطلب ہے درختوں پر کھجور کے ثمر کی خریداری اور محاقلہ کہتے ہیں زمین کرایہ پر دینے کو ۔ (مسلم ۔ ابن ماجہ)

۱۹ ۔ ثابت بن ضحاک سے روایت ہے کہ حضورؐ نے مخابرہ سے منع فرمایا تھا ۔ ثابت بن حجاج نے حضرت زید بن ثابت سے پوچھا کہ مخابرہ کا کیا طلب ہے ۔ انہوں نے جواب دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم آدھی ، تہائی یا چوتھائی پیداوار کے عوض زمین لو ۔

یہ روایات لکھ کر مولانا کہتے ہیں کہ غالباً اس سلسلہ کی کوئی قابل ذکر اور لائق اعتنا روایت ہم سے چھوٹ نہیں گئی ۔ مگر یہ غلط ہے ۔ اس سلسلہ کی کئی قابل ذکر اور لائق اعتنا روایات وہ چھوڑ گئے ہیں جن کی تفصیل پچھلے باب میں گزر چکی ہے ۔ شمس الائمہ سرخسی نے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چار آدمیوں نے اکٹھے ہو کر معاملہ طے کیا کہ ایک آدمی کی زمین ہو گی دوسرا بل بیل دے گا تیسرا بیج دے گا اور چوتھا کاشت کرے گا ۔ اور طے یہ پایا کہ پیداوار کو چاروں آپس میں بانٹ لیں گے ۔ جب کھیتی پک کر تیار ہوی تو رسول خدا کی خدمت میں معاملہ پیش ہوا آپ نے سارے قصہ کو سن کر جو فیصلہ کیا وہ یہ تھا ہل بیل والے کو اپ نے اجر مثل دلایا ۔ کاشتکار کو ایک درہم یومیہ کے حساب سے مزدوری ۔ بیج والے کو پیداوار کا مستحق قرار دیا ۔ زمین کے مالک کے حصہ کو آپ نے لغو قرار دیا اور اسے کچھ بھی نہ دیا گیا ۔ یہ رویات نقل کر کے شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں الحدیث صحیح و کل قیاس بمقابلہ متروک ۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے مقابلہ میں ہر قیاس متروک ہے ۔ المسبوط جلد ۲۳)

ایک اور روایت ہے کہ حضورؐ ایک روز ظہیر کے پاس سے گزرے جس پر ہری بھری کھیتی لہلہا رہی تھی ۔ بے اختیار آپ کے منہ سے نکل گیا ما احسن زرع ظہیر (ظہیر کی کھیتی کتنی اچھی ہے) صحابہ نے آپ کو بتایا کہ یہ زمین تو ظہیر کی ہے مگر اس پر کاشت دوسرے لوگ کرتے ہیں ۔ اس پر آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ کاشت کے مصارف ادا کر کے اپنی کھیتی واپس لے لے ۔ (کنزالعمال جلد ۸ صفحہ ۴۷)

Marfat.com

آپ نے مولانا کے اس دعویٰ کی حقیقت تو سن لی ۔ اب ذرا اس بات پر بھی توجہ کیجئے کہ جس مزارعت کو اس قدر روایات حرام قرار دے رہی ہیں اسے حلال کرنے کے لیے مولانا مودودی نے سہارا کس چیز کا لیا ہے ۔ صرف واقعہ خیبر کا ۔ خود ہی سوچئے کہ کیا اس قدر واضح احکامات کے بعد بھی اس کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ آپ کا عمل آپ کے قول کے خلاف ہو ۔ اور جس بٹائی کو حضورؐ خود سود قرار دیں خود ہی (معاذاللہ) اس پر عمل کریں ؟

دوسرا نکتہ واقعہ خیبر

واقعہ خیبر کا سہارا لے کر مولانا نے جو لمبی چوڑی گفتگو کی ہے اس کا ایک حصہ آپ کے سامنے آ چکا ہے ۔ منقولہ عبارات میں سے یہ ٹکڑا پھر ملاحظہ فرمائیے ۔

خیبر کو نبی صلعم نے دو حصوں میں تقسیم فرمایا تھا ایک حصہ حکومت کی ملکیت تھا اور دوسرا حصہ ان مجاہدین پر تقسیم کیا گیا تھا جو جنگ خیبر میں شریک ہوئے تھے ۔ دونوں حصوں کے بارے میں یہودیوں سے نصف نصف کی بٹائی پر معاملہ ہوا تھا ۔

کیا اس عبارت کا یہی مفہوم نہیں کہ خیبر کی پوری زمین دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی تھی ۔ ایک حصہ حکومت نے لے لیا تھا اور دوسرا حصہ مجاہدین میں تقسیم کیا گیا تھا اور یہودی مالک کی حیثیت سے نہیں بلکہ مزارع کی حیثیت سے کام کرتے تھے ۔ ہم مولانا کی یہ بات بے تامل مان لیتے مگر اس کو کیا کیجئے کہ دوسری جگہ وہ خود اسکے خلاف لکھ گئے ہیں ۔

"یہودیوں کے اخراج کا فیصلہ ہو گیا ، لیکن ان مجرموں کو اس طرح جلا وطن نہ کیا گیا کہ ان کے اموال و اراضی پر قبضہ کر کے انہیں بیک بینی و دوگوش نکال دیا گیا ہو ۔ جو کچھ وہ چھوڑ کر گئے اس کا پورا پورا معاوضہ ان کو بیت المال سے دیا گیا ۔" (الجہاد فی الاسلام ۔ طبع دوم صفحہ ۲۶۳)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہودیوں کو جب خیبر سے نکالا گیا تو ان کے اموال و اراضی کے پیسے بیت المال سے دیئے گئے ۔ خود ہی سوچئے کہ جسے اس کی زمین کے پیسے دیئے جا رہے ہیں وہ مزارع ہو گا یا مالک ؟ مگر مولانا کی تحقیق دیکھئے کہ ایک طرف تو انہیں مزارع قرار دے رہے ہیں او ان کی مزارعت سے ہی استدلال کر کے حضورؐ

Marfat.com

کی اس قدر واضح احادیث کو پس پشت ڈال رہے ہیں اور دوسری طرف خود ہی کہہ رہے ہیں کہ انہیں ان کی زمینوں کے پیسے دیئے گئے ۔ یا للعجب ! اصل میں یہ ایک تاریخی حقیقت تھی جس کا مولانا سے انکا نہیں بن پڑتا تھا ۔ اور دوسرے انہیں علم بھی نہ تھا کہ "الجہاد فی الاسلام" کے بعد انہیں مسئلہ ملکیت زمین نامی کسی کتاب کو بھی مرتب کرنا پڑے گا ۔ اور اس تاریخی حقیقت سے منہ پھیر کر خیبر کے یہودیوں کو مالکان زمین کی بجائے مزارعین قرار دینا ہو گا

کس کو معلوم ہے تقدیر میں کیا لکھا ہے

اس تاریخی تحقیقت کو جدید عالم اسلام کے ممتاز مورخ جناب محمد حسین ہیکل بھی بیان کرتے ہیں جن کے متعلق خود مولانا کی رائے ہے

"محمد حسین ہیکل مصر کے معروف ادیب اور سیاسی رہنما تھے انہوں نے حضرت عمر کی سیرت پر یہ نہایت عمدہ کتاب لکھی ہے" (تقریظ ۔ عمر فاروق اعظم ۔ مصنفہ محمد حسین ہیکل مترجمہ حبیب اشعر)
چنانچہ یہ مورخ اسی نہایت عمدہ کتاب میں لکھتے ہیں ۔

یہی کچھ ان یہودیوں کے ساتھ کیا گیا جو خیبر اور فدک میں باقی رہ گئے تھے ۔ انہیں وہاں سے جلا وطن کر کے شام بھیج دیا گیا ۔ ان کی زمینوں کی قیمت انہیں دیدی گئی اور ان میں سے کسی کے ساتھ بدسلوکی نہیں کی گئی ۔ (عمر فاروق اعظم صفحہ ۱۰۸)
علامہ شبلی نعمانی کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں

"خیبر کے یہودیوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکالا تو ان کی مقبوضہ اراضیات کا معاوضہ دے دیا ۔ (الفاروق ۔ حصہ دوم ۔ صفحہ ۱۳۱ ۔ مطبوعہ ۱۹۲۲ء)

مولانا مودودی واقعہ خیبر کو اساس قرار دے کر بار بار امام محمد اور امام ابو یوسف کا سہارا لیتے ہیں ۔ ذرا ان حضرات کے دلائل بھی سن لیجئے ۔

المزارعۃ فاسدۃ عند ابی حنیفہ وقالا جائزۃ لماروی ان النبی صلعم عامل اہل خیبر علی نصف مایخرج من ثمر اوزرع ولانہ عقد شرکۃ بین المال والعمل فیجوز اعتباراً بالمضاربۃ

(ترجمہ) مزارعت امام ابو حنیفہ کے نزدیک فاسد ہے لیکن امام محمد اور امام یوسف اسے

Marfat.com

جائز قرار دیتے ہیں ۔ روایت ہے کہ حضورؐ نے اہل خیبر کے ساتھ نصف پھل اور نصف پیداوار کا معاملہ کیا تھا ۔ اس لئے یہ مال اور عمل کی شرکت ہے اس لیے مضاربت کے اصول پر جائز ہو گی ۔

(ہدایہ جلد ۴ کتاب المزارعۃ صفحہ ۴۲۴ ۔ مطبع مجتبائی)

دیکھا آپ نے کہ حضرت امام اعظم تو واضح طور پر مزارعت کو فاسد قرار دیتے ہیں ۔ ہاں صاحبین نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے ۔ لیکن جیسا کہ ذرا آگے چل کر معلوم ہو گا ان میں سے امام محمد بھی اس پر مطمئن نہیں ہیں۔

یہود خیبر نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا تھا یہ قتل خفیہ تھا ۔ اس لیے حضورؐ نے اس کا فیصلہ قسامت کے ذریعہ کیا ۔ مودودی صاحب کی یہ عبارت آپ کی نظر سے گزر چکی ہے ۔

"اسلامی قانون فوجداری میں قسامت کے قاعدہ کا تو ماخذ ہی وہ واقعہ ہے جو خیبر میں ایک مسلمان کے خفیہ قتل کا پیش آیا تھا ۔

اس اسلامی قانون فوجداری کے متعلق فقہ حنفی میں لمبی چوڑی بحث کی گی ہے ۔ ہیاں امام اعظم امام ابو یوسف اور امام محمد کا مسلک سن لیجئے ۔

مصنف ہدایہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کے نزدیک قسامت مالکان کے ساتھ بعید کے ملکیت والے شامل نہیں کئے جائیں گے اور یہی قول امام محمد کا ہے ۔ لیکن امام ابو یوسف صاحب فرماتے ہیں کہ قسامت میں دونوں یعنی مالکان اور غیر مالکان شامل ہوں گے کیونکہ جس طرح معاملہ کے انتظام کا تعلق مالکان سے ہے اسی طرح غیر مالکان سے بھی ہے جو اس علاقہ میں رہتے ہیں ۔ امام یوسف اس کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ رسول اللہ نے یہود خیبر پر قسامت اور دیت دینے کا فیصلہ کیا اور یہود خیبر کی حیثیت غیر مالکان کی تھی ۔ لیکن امام محمد اور امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اس علاقہ کی حفاظت کی ذمہ دار مالک ہے نہ کہ غیر مالک جو وہاں رہتا ہے کیونکہ مالکان کا رہنا یہاں پر لازمی ہے ۔ اور ان کا ٹھکانا ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے اس لیے معاملہ کا انتظام انہی کی طرف ہو گا اور یہ قصور انہین کی طرف سے متحقق ہو گا ۔ اہل خیبر کے متعلق فرماتے ہیں کہ رسول اکرم نے ان کو مالک کی حیثیت سے قائم رکھا تھا اور ان سے جو کچھ لیا جاتا تھا وہ بطور خراج

Marfat.com

تھا ۔ (ہدایہ جلد ۴ ۔ باب القسامۃ ۔ مطبع مجتبائی صفحہ ۶۳۹)

ظاہر ہے کہ حضرت امام اعظم اور امام محمد دونوں اہل خیبر کو زمین کا مالک قرار دیتے ہیں لیکن اس سے پہلے یہی امام محمد مزارعت کو جائز قرار دیتے ہوئے یہود اہل خیبر کو اساس قرار دیتے ہیں ۔ حاشیہ پر لکھا ہے کہ پہلے امام ابو یوسف بھی اس چیز کے قائل تھے مگر بعد میں اپنے قول سے رجوع کر لیا ۔ لیکن دوسری طرف یہی امام صاحب اپنی کتاب الخراج میں انہی یہود کو ارباب المال و ارباب الارض لکھتے ہیں ۔

(کتاب الخراج صفحہ ۵۲ بحوالہ اسلامک ریویو دسمبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۲۱)

اب یہ بات خود مودودی صاحب ، امام محمد صاحب ، اور امام ابو یوسف صاحب کی تحریروں سے ثابت ہو چکی ہے کہ یہود خیبر اپنی زمینوں کے مالک تھے ، مزارعین نہ تھے۔ اس بنا پر یہ بٹائی کا کاروبار نہ تھا بلکہ دراصل خراج تھا ۔ اسی لیے ہمارے بعض بزرگان دین نے اسے خراج تصور کیا تھا ۔ جنہیں مولانا مودودی صحیح قرار نہیں دیتے ۔ مگر خود بھی عجیب تضاد بیانی سے کام لیتے ہیں ۔ اصل یہ ہے کہ اہل خیبر کو ان کی املاک کی قیمت ادا کی گئی تھی ۔ اور اراضی کا مالک سمجھ کر ہی اراضی کی قیمت ادا کی گئی تھی ۔ شمس الائمہ سرخسی حضرت عمر کی زبانی کہتے ہیں ۔

حضرت عمر نے کہا میں تمہارے اموال کی قیمت لگاتا ہوں اور تمہیں ادا کروں گا ۔ میں اموال میں تمہارے حقوق کو باطل نہیں کرتا اور نہ ہی بغیر بدلہ دیئے مالک بنوں گا ۔ پھر حضرت عمر نے ان کے اموال کی قیمت نوے ہزار دینار لگائی پس وہ قیمت ادا کر کے انہیں جلاوطن کیا گیا اور ان کے اموال پر قبضہ کیا گیا ۔ (المبسوط ج ۲۳ صفحہ ۵)

مولانا مودودی نے اپنی کتاب "الجہاد فی الاسلام" میں اسلامی قوانین جنگ پیش کئے ہیں ۔ جب انہیں واقعہ خیبر ان کے خلاف نظر آیا تو انہیں کہنا پڑا کہ یہ واقعہ ایک استثنائی صورت ہے ۔ پھر تعجب ہے کہ اسی استثنائی واقعہ کی بنا پر بٹائی کو جائز کرتے ہیں اور اس قدر واضح روایات کی تاویل کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہیں !

فی الواقع حضورؐ نے خیبر کے جو حصے کئے تھے وہ آمدنی اور خراج کے لحاظ سے تھے نہ کہ زمین کے لحاظ سے ۔ اگر یہ زمین کی بٹائی ہوتی تو ہر آدمی کو اپنے حصہ کی زمین سے پیداوار لینا تھی ۔ مگر یہ کیا ہے کہ کل پیداوار کی آمدنی ۸۰۰ حصوں میں برابر تقسیم کر دی جاتی ۔ کیا ہر قطعۂ اراضی سے برابر تقسیم کر دینا عدل و انصاف کے منافی نہ تھا ؟

Marfat.com

تیسرا نکتہ

احسان اور فیاضی کی تعلیم

امتناع مزارعت کے متعلق چونکہ تمام احادیث صحیح تھیں اس لیے انکا انکار ممکن نہ تھا مجبوراً مولانا کوان کی تاویلات کرنا پڑیں ۔ واقعہ خیبر کو حضورؐ کے عمل کے حیثیت سے پیش کیا گیا جو خواہ کچھ بھی ہو مزارعت کی تعریف میں نہیں آ سکتا ۔ پھر مولانا نے آثار صحابہ کو پیش کر کے یہ تاثیر پیدا کرنے کی کوشش کی کہ امتناع مزارعت کا مفہوم یہ تھا کہ مسلمان باہمی احسان اور فیاضی سے کام کریں ۔ انہی آثار کے سلسلہ میں آپ بیان فرماتے ہیں ۔

"دوسری مفصل روایت میں یہ ہے کہ طاؤس اپنی زمین بٹائی پر دیا کرتے تھے اس پر مجاہد نے ان سے کہا کہ چلو رافعؓ بن خدیج کے بیٹے کے پاس چلیں وہ اپنے والد سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں ۔ مگر طاؤس نےان کو ڈانٹ دیا ار کہا خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضورؐ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے تو میں ہرگز ایسا نہ کرتا ۔ لیکن جو شخص رافع بن خدیج سے زیادہ علم رکھتا ہے یعنی ابن عباس اس نے مجھ سے کہا کہ حضورؐ نے دراصل یہ فرمایا تھا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو یونہی زمین دیدے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ مقرر لگان پر دے ۔ (مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۹۴)

یہ روایت بیان کر کے مودودی صاحب مطمئن ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے ممانعت کی حدیثوں کا مسکت جواب دیدیا ہے ۔ مگر دیکھئے کہ ایسی تصریحات کی حقیقت کیا ہے ۔ روایت میں طاؤس کے یہ الفاظ ہیں کہ "جو شخص رافع بن خدیج سے زیادہ علم رکھتا ہے ۔" مولانا نے "یعنی ابن عباس "لکھ کر یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ اس سے مراد حضرت ابن عباس ہی تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس شخص کے متعین کرنے میں بڑا اختلاف ہے ۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ ابن عباس تھے ۔ ۔ لیکن اکثر کہتے ہیں کہ ان کی مراد حضرت معاذ بن جبل سے تھی ۔ چنانچہ شمس لائمہ سرخسی اس قول کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

"حضرت طاؤس کے اس قول سے مراد معاذ بن جبل ہیں ۔"

(المبسوط)

Marfat.com

ان آثار سے گویا یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت طاؤس بٹائی کو جائز سمجھتے تھے ۔ لیکن محدثین کا فیصلہ ہے کہ حضرت طاؤس بٹائی کی ہر صورت کو ناجائز سمجھتے تھے ۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ۔

"طاؤس ان لوگوں میں سے تھے جو کسی شرط پر زمین کے بندوبست کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے ۔"

(فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۱۹)

علامہ شوکانی لکھتے ہیں ۔

"اور طاؤس اور ایک گروہ کہتا ہے کہ زمین کا کرایہ مطلقاً ناجائز ہے خواہ وہ زمین کی پیداوار کے ایک حصہ کی شکل میں ہو یا سونے اور چاندی کی شکل میں یا کسی اور صورت میں ۔"

(نیل الاوطار)

حضرت طاؤس سے بٹائی کے سلسلہ میں ایک اور روایت بیان کی جاتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل اپنی زمین حضورؐ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر عمر اور عثمان کے زمانہ میں تہائی اور چوتھائی پیداوار پر بٹائی کے لیے دیتے رہے ۔ (ابن ماجہ)

اس روایت کے ضعف پر دو امور دلالت کرتے ہیں ۔ اول یہ کہ خود مودودی صاحب کے خیال کے مطابق حضرت طاؤس نے حضرت معاذ بن جبل کو دیکھا تک نہیں (ملکیت زمین صفحہ ۹۰) دوسرے یہ کہ حضرت معاذ بن جبل فاروق اعظم کے زمانہ میں طاعون عمواس میں وفات پا چکے تھے (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۰) لیکن روایت میں ہے کہ وہ حضرت عثمان کے زمانہ میں زمین بٹائی پر دیتے تھے ۔ اس طرح حضرت طاؤس سے جو روایات منسوب کی گئی ہیں وہ غلط اور مشتبہ ہیں ۔ اور پھر اگر ابن حجر اور علامہ شوکانی کوئی ثقہ آدمی ہیں تو یہ بھی تسلیم کرنا ہو گا جن حضرت طاؤس سے جواز مزارعت کی روایات کی گئیں وہ خود مزارعت کی ہر صورت کو ناجائز سمجھتے تھے ۔

یہی وہ بنیاد ہے جس پر مودودی صاحب جواز مزارعت کی عمارت اٹھاتے ہیں ۔ وہ حضور کے اقوال کو اصل قرار نہیں دیتے بلکہ آثار صحابہ کو اساس بناتے ہیں اور سرور عالم

Marfat.com

کے احکام کی تاویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ بھی واقعتاً ریت کی دیوار ہے جو کبھی قائم نہیں رہ سکتی ۔ کیونکہ ان میں سے بیشتر آثار کا وہی حال ہے جو حضرت طاوس کے وارد کردہ اثر کا ہوا ۔ امام بخاری نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت ابن سیریں زمین بٹائی پر دیتے تھے لیکن بخاری کے مشہور شارح علاوہ عینی نے تصریح کی ہے کہ ابن سیرین بٹائی کو ناجائز سمجھتے تھے ۔ علامہ ابن حزم نے بھی دعویٰ کیا ہے کہ

"ابن سیرین ہر قسم کی بٹائی کو ناجائز سمجھتے تھے"

(المحلی جلد ۸ صفحہ ۲۱۳)

اب ایسے کمزور آثار کو لے کر اگر کوئی حضورؐ کی واضح اقوال کی باطل تاویلات کرنے کرنے لگے تو اس کا کیا علاج ؟

چوتھا نکتہ

مضاربت اور مزارعت

اصول مضاربت پر مزارعت کو جائز ثابت کرنے کے لیے مولانا اس شان سے قلم اٹھاتے ہیں گویا ابھی فریق مخالف کے تمام دلائل و براہین کو قطع کر کے رکھ دیں گے مگر یہ بحث پڑھ کر مولانا کی علمیت پر افسوس ہونے لگتا ہے ۔
مولانا فرماتے ہیں

"جس طرح تجارت ، صنعت اور دوسرے کاروباری معاملات میں مضاربت جائز ہے بالکل اسی طرح زراعت میں مزارعت جائز ہے ۔"(ملکیت زمین صفحہ ۹۶)

دوسری جگہ اس کو ذرا زیادہ تفصیل سے لکھا ہے ۔

اسلامی قانون نے تجارت ، صنعت اور معاشی کاروبار کے تمام شعبوں میں آدمی کو اس بات کی کھلی اجازت دی ہے کہ وہ نفع و نقصان کی شرکت کے اصول پر دوسروں کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرے ایک شخص دوسرے کو اپنا روپیہ دے سکتا ہے ۔ اور طے کر سکتا ہے کہ تو اس سے کاروبار کر نفع و نقصان میں آدھے یا چوتھائی کا میں شریک ہوں ۔ ایک شخص دوسرے کو اپنا سرمایہ کسی عمارت کی شکل میں کسی انجن یا مشین کی شکل میں کسی موٹر یا کشتی یا جہاز کی شکل میں دے سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ تو اس میں

Marfat.com

کام کو کر ۔ ۔ ۔ نفع و نقصان میں میرا اتنا حصہ ہے لیکن آخر اس بات کے لیے کونسی معقول وجوہ ہیں کہ ایک شخص اپنا سرمایہ زمین کی شکل میں دوسرے کو دے کر یہ نہ کہہ سکے کہ تو اس میں کاشت کر پیداوار میں تہائی یا چوتھائی یا نصف کا میں شریک ہوں ۔ (مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۸۵)

مندرجہ بالا عبارات پڑھ کر رونا بھی آ جاتا ہے اور ہنسی بھی ۔ رونا اس بات پر کہ اس قوم کی علمی کم مائیگی اور فکری دیوالیہ پن کا کیا حال ہو گا جس کے بلند پایہ مفکرین کی یہ حالت ہے کہ انہیں اس کا بھی پتہ نہیں کہ مضاربت کہتے کسے ہیں ۔ اور ہنسی اس بات پر کہ علمی حالت تو یہ ہے اور اس پر دعویٰ ہے کہ ہم نے اپنی زندگی دین کے سمجھنے میں وقف کی ہے ۔ ہم نے اسلام کے دقائق و معارف پر غور کرنے میں اپنی عمر کھپا دی ہے اب کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ہمارے سامنے منہ کھول سکے ۔

ذرا اس عبارت کو پھر پڑھئے اور مولانا کی بیان کردہ مضاربت کی تعریف ذہن نشین کر لیجئے ۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نفع و نقصان کی شرکت پر دوسرے کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرے ۔ یعنی ان کے نزدیک مضاربت کی تعریف یہ ہے کہ دونوں فریق نفع نقصان میں شریک ہوں ۔ حالانکہ یہ تعریف بالکل غلط ہے ۔ "الفقہ علی المذاہب الاربعہ" میں مضاربت کی یہ تعریف درج ہے ۔

ہی فی اللغۃ عبارۃ ان یدفع شخص مالا لآخر لیتجر فیہ علی ان یکون الربح بینہما علی ماشرطا والخسارۃ علیٰ صاحب المال ۔

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۳ ص ۴۳)

مضاربت کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو تجارت کے لیے مال دے کہ نفع تو ان میں ان کی شرائط کے مطابق تقسیم ہو اور نقصان صرف صاحب مال کے ذمہ ہو گا ۔

محولا بالا کتاب کوئی معمولی کتاب نہیں ۔ مولانا مودودی نے اس کے متعلق خود یہ الفاظ لکھے ہیں ۔

حال میں الفقہ علی المذاہب الاربعہ کے نام سے ایک نفیس کتاب مصر میں شائع ہوئی ہے ۔ (مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۱۰۱)

صرف اسی نفیس کتاب پر کیا موقوف ہے ۔ فقہ کی کوئی سی کتاب اٹھا کر دیکھا لیجئے مضاربت کی یہی تعریف درج ہو گی کہ فریقین نفع میں شریک ہوں گے ۔ اور نقصان صاحب مال پر ہو گا ۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ مودودی صاحب مضاربت کی تعریف تک سے ناواقف ہیں ۔ بھر ان کا استدلال کس قدر کمزور ہے ۔ وہ اگر سوچتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ مضاربت اور موجودہ مزارعت میں دور کا تعلق بھی نہیں ۔ کیونکہ مزارعت کے سلسلے میں اگر فصل تباہ ہو جائے تو بیچارے مزارع کی محنت بھی اکارت گئی ۔ اس کا بیج بھی ضائع ہوا اور بیلوں کا خرچ بھی برباد ہوگیا لیکن زمین کے مالک کو کوئی نقصان نہ پہنچا ۔ اور مضاربت میں یہ ہوتا ہے کہ اگر تجارت میں نقصان ہو تو سرمایہ والے فریق کا مالی نقصان ہوا اور محنت کرنے والے عامل کی صرف محنت اکارت ہوئی ۔

دوسری بات یہ ہے کہ مضاربت عام حالات میں جائز بھی نہیں سمجھی گئی ۔ اس کی اجازت بھی صرف مخصوص حالات میں ہے ۔ جس کی آئمہ نے تصریح کر دی ہے ۔ شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہین۔

ان بالناس حاجۃ الیٰ عقد المضاربۃ فصاحب المال قد یکون عاجزاً عن التصرف بنفسہ فی مالہ (المبسوط جلد ۲۳ صفحہ ۱۷)

مضاربت پر کام کرنے کی حاجت لوگوں کو ہوتی ہے کیونکہ ایک شخص کے پاس مال ہوتا ہے مگر بعض حالات میں وہ کاروبار کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے ۔

ظاہر ہے کہ اس محذود اجازت کا اطلاق عام حالات پر نہیں کیا جا سکتا ۔ لیکن مولانا اسے عام قرار دے کر مزارعت کو بھی اس پر قیاس کر رہے ہیں ۔

مضاربت میں ایک اصول اور بھی ہے کہ سفر کی حالت میں کارندے کے تمام اخراجات صاحب مال کے ذمہ ہوتے ہیں ۔ چنانچہ امام مالک فرماتے ہیں ۔

ونفقہ العامل عن المال فی سفرہ من طعامہٖ و کسوتہ وما یصلحہ بالمعروف بقدر المال ۔(تنویر الحوالک شرح موطاامام مالک جلد ۲ صفحہ ۸۸)

یعنی کارندہ جب سفر پر جائے گا تو اس کا تمام سفر خرچ یعنی کھانا اور کپڑا اور دوسری معروف چیزیں مال کے حساب سے مال میں لی جائیں گی ۔

Marfat.com

چلئے ۔ ایک لمحہ کے لیے ہم مضاربت کی وہ تعریف مانے لیتے ہیں جو مولانا نے فرمائی ہے مگر پھر بھی وہ اس کے سہارے مزارعت کو کیسے جائز قرار دے سکتے ہیں کیونکہ اس طرح مالک زمین نفع میں شریک ہو گا مگر جب فصل تباہ ہو جائے گا تو سارا نقصان مزارع کا ہو گا ۔ مالک کی زمین تو اسی طرح محفوظ رہے گی ۔ لیکن جب تجارت میں نقصان ہو گا تو سرمایہ دار کا سرمایہ میں نقصان ہو گا ۔

پانچواں نکتہ

مزارعت اور سود

سود کی تعریف یہ ہے کل قرض جر نفعا فَھُوَ ربوا یعنی ہر وہ قرض جس پر نفع جاری ہو سود ہے ۔ اگر غور کیجئے تو مزارعت بھی اس میں داخل ہے کیونکہ اس میں مالک زمین صرف نفع کا شریک ہوتا ہے نقصان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔اس لیے رسول خدا نے اسے سود کہا ۔ یہ روایات ہم نے نکتہ اول میں جمع کر دی ہیں ۔ یہ دونوں روایتیں سنن ابی داؤد میں ہیں ایک کے راوی رافع بن خدیج اور دوسری کے راوی جابر بن عبداللہ ہیں ۔ مودودی صاحب جابر والی روایت کو تو صاف حذف کر گئے مگر رافع بن خدیج والی روایت پر داد تحقیق دی ہے ۔ اور اپنے آپ کو اسماء الرجال کا ماہر ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے ۔

مولانا فرماتے ہیں کہ رافع بن خدیج کی روایت میں ایک راوی بکر بن عامر بجلی ہیں جس کی بابت محدثین نے کلام کیا ہے ۔

مولانا نے نیل الاوطار کے حوالہ سے یہ بات تو کہہ دی مگر یہ نہ دیکھا کہ فی الواقع کوئی بکر بن عامر بجلی ہے بھی یا نہیں ؟ ابو داؤد کی روایت میں "بکیر بن عامر" ہے ۔ نیل الاوطار میں غلط چھپ گیا اور مولانا نے بھی اسی طرح نقل کر دیا ۔ قاضی شوکانی نے بکیر بن عامر البجلی کے متعلق لکھا ہے کہ "فھو متکلم فیہ "لیکن کوئی سند بیان نہیں کی ۔ اور مولانا نے بھی انتہائی ناانصافی سے کام لیا ہے کہ جو شوکانی ابن حزم اور دوسرے اکثر بزرگوں کا مذہب نقل کرنے میں بڑے غیر محتاط واقع ہوئے ہیں (جیسا کہ خود مودودی صاحب نے تصریح کی ہے) ان کی محض بے سند بات کو مان کر ابو داود کے اصول تک کو فراموش کر دیا ۔ مگر مولانا کو تو اپنے مسلک کی تائید میں کچھ نہ کچھ چاہیے تھا اور وہ یہ

Marfat.com

حال مل گیا ۔ ۔ ابو داود کا طریقہ ہے کہ جو روایت ضعیف ہواس کی خود تصریح کر دیتے ہیں مگر جس حدیث پر وہ خاموشی اختیار کرتے ہیں ان کا حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے ۔ یہ اصول خود ابو داودؒ کا قائم کیا ہوا ہے جس کو ابن صلاح ، امام ابی سلیمان خطابی اور دوسرے محدثین نے تسلیم کیا ہے ۔ خیال رہے کہ بکیر بن عامر البجلی حنفی امام محمد کے استاد تھے اور انہوں نے موطا امام محمد میں ان سے احادیث روایت کی ہیں ۔

محدث ابن صلاح ، امام نووی اور دوسرے کئی حفاظ حدیث نے ان تمام احادیث پر عمل کرنے کا فتویٰ دیا تھا جن پر ابو داودؒ نے سکوت کیا ۔ (مقدمہ سنن ابی داؤد ۔ ازاحمد البنا صفحہ ۷)

ابو داؤد کی یہ روایت چونکہ مزارعت کو سود ثابت کرتی تھی اس لیے مودودی صاحب اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں مگر شاید وہ بھول گئے کہ انہوں نے سود نامی بھی کوئی کتاب لکھی ہے ۔ اس کتاب میں بیع اور سود کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے مولانا حق بیان کر گئے ہیں ۔ فرماتے ہیں :۔

"تجارت اور صنعت و حرفت اور زراعت میں انسان ، محنت اور ذہانت صرف کرتا ہے اور اس کا فائدہ لیتا ہے مگر سودی کاروبار میں وہ محض اپنا ضرورت سے زائد مال دے کر بلا کسی محنت و مشقت اور صرف کمال کے دوسروں کی کمائی میں شریک غالب بن جاتا ہے ۔ اس کی حیثیت اصطلاحی شریک کی نہیں ہوتی ۔ جو نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے اور نفع میں جس کی شرکت نفع کے تناسب سے ہوتی ہے ۔ بلکہ وہ ایسا شریک ہوتا ہے جو بلحاظ نفع و نقصان اور بلا لحاظ تناسب نفع اپنے مقرر اور مشروط منافع کا دعویدار ہوتا ہے ۔

(سود حصہ اول طبع سوم ۔ صفحہ ۳۷)

انصاف کیجئے کیا سود کی یہ تعریف معاملہ مزارعت پر صادق نہیں آتی ۔ کیا وہ یہی نہیں فرما رہے کہ ایک آدمی جب اپنی زائد رقم لے کر دوسرے کی کمائی میں نفع کا شریک ہو جاتا ہے تو اسے سود کہتے ہیں ؟ تو کیا اس پیداوار کو سود نہیں کہا جائے گا جو آپ نے اپنی ضرورت سے زاید زمین کسی دوسرے کے حوالے کر کے حاصل کی ۔ مزارعہ سارا سال محنت کرتا ہے ۔ گرمیوں کا سورج اس کا پنڈا جھلس دیتا ہے ۔ جاڑوں کی کڑکڑاتی

Marfat.com

سردی اس کا لہو منجمد کر دیتی ہے مگر جب فصل تیار ہوتی ہے تو اس کا خون پسینہ ایک کر کے پیدا کی ہوئی کمائی میں آرام سے بیٹھنے والا مالک زمین بھی شریک ہو جاتا ہے ۔ کرایہ (ٹھیکہ) میں صورت اس سے بھی بد تر ہوتی ہے ۔

چھٹا نکتہ

آئمہ اربعہ اور مزارعت

دور نبوی کے بعد امتِ مسلمہ نے جن بزرگوں پر فقہ کے معاملہ میں اعتماد کیا وہ ہیں آئمہ اربعہ یعنی امام مالک (۲) امام اعظم ابو حنیفہ (۳) امام شافعی (۴) امام احمد بن حنبل ۔ ان حضرات میں سے صرف امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہے کہ وہ مزارعت کی ایک صورت جائز قرار دیتے ہیں مگر وہ بھی اس وقت جب مالک زمین ، زمین کے ساتھ بیج بھی دے ۔ دوسرے آئمہ اسے مطلقاً ناجائز سمجھتے تھے ۔ شافعیہ ، مالکیہ اور امام اعظم کے نزدیک بٹائی کی تمام صورتیں ناجائز ہیں ۔ امام اعظم کے شاگردوں نے امام صاحب سے اختلاف کر کے جواز کا جو فتویٰ دیا تھا اس کے دلائل اور ان کا جواب پہلے بیان ہو چکے ہیں ۔

ہم مولانا مودودی صاحب سے گذارش کرتے ہیں کہ کیا یہ آئمہ محض جاہل اور بے علم تھے ؟ کیا انہیں اس مسئلہ کی ذرا بھی سمجھ نہ آئی کہ مزارعت حلال ہے ؟ امام مالک امام اہل مدینہ کے نام سے مشہور ہیں وہ خود فرماتے ہیں کہ کسی مسئلہ کے متعلق اس وقت تک فتویٰ نہیں دیتے جب تک مدینہ شریف کے کم از کم ستر علما کا اس سے اتفاق نہ ہو ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ مدینہ شریف جو صحابہ کا مسکن ہو وہ تو بٹائی کو جائز سمجھتے ہوں اور امام مالک نے اس کے عدم جواز کا فتوٰی دیدیا ہو ۔

مولانا نے آئمہ کے شاگردوں کا مذہب اس طرح پیش کیا ہے گویا وہ ان آئمہ کا مذہب ہے اور وہ اپنے ان شاگردوں کے فتوٰی سے متفق تھے ۔ حالانکہ علمی دنیا میں یہ بات صحیح نہیں۔ شاگرد جو مذہب بھی اختیار کریں ، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے استاد کے نزدیک بھی اسے جائز سمجھا جائے ۔ خود مودودی صاحب ہی کے ایک تربیت یافتہ نے الائمہ من قریش کی بحث میں مولانا مودودی کی مخالفت اور اصلاحی صاحب کی حمایت میں بیان دیا تھا کیا اس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ مولانا صاحب کا مسلک بھی وہی ہے ؟

Marfat.com

ان کے اس "شاگرد" نے بیان کیا تھا ؟ یہ بتایا جا چکا ہے ۔ کہ قاضی ابو یوسف کا یہ فتوی اضطراری حالت کا تھا ۔ وہ ایسے زمیندار کی آمدنی کو حلال اور جائز نہیں سمجھتے تھے ۔

ساتواں نکتہ

محدود ملکیت اس سلسلے میں مولانا رقمطراز ہیں :۔

"اسلام اس تخیل سے قطعی ناآشنا ہے کہ زرعی جائیداد کی ملکیت دوسرے اقسام کی املاک اور جائیدادوں سے الگ نوعیت رکھتی ہے جس کی بناء پر ان سب کے برعکس اس کی جائز ملکیت کے لیے رقبہ کے لحاظ سے کوئی حد مقرر کر دی جائے یا یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ ہر شخص اور خاندان کے قبضہ میں صرف اتنی ہی زمین رہنی چاہیے جس میں وہ کاشت کر سکے ۔ یا خود کاشتی سے زاید ملکیت کا حق دینے کے بعد دوسری ایسی پابندیاں لگا دی جائیں جن کی وجہ سے یہ حق بے معنی ہو کر رہ جائے ۔ ایسی حد بندیوں کے لیے فی الحقیقت کتاب و سنت میں کوئی اصل موجود نہیں ہے ۔"

(مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۹۶)

آپ ان احادیث پر پھر نظر ڈالئے جن میں حضورؐ نے کہا ہے کہ جس کے پاس زمین ہو وہ خود کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو دیدے یا پھر روک رکھے ۔ اور پھر سنت کے شیدائیوں کا حال دیکھئے کہ بڑے دھڑلے سے کہہ رہے ہیں کہ "ایسی حد بندیوں کے لیے فی الحقیقت کتاب و سنت میں کوئی اصل موجود نہیں ۔" تعجب ہے کہ اس قد واضح احادیث کا اتنے زوردار طریقہ سے انکار کیا جائے اور پھر بھی اپنے آپ کو متبع سنت قرار دیا جائے ۔

آٹھواں نکتہ

مسئلہ مزارعت اور کم علم لوگ

اب ہم بحث کے اس آخری حصے پر پہنچ رہے ہیں جہاں مولانا مودودی اپنی علمیت کے گھمنڈ میں اپنے مخالفین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ۔

"ان کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ اسلام کوئی بازیچۂ اطفال نہیں ہے کہ جن لوگوں نے اس نظام اور اصول اور قوانین کو سمجھنے میں اپنی عمر کا کوئی ذرا سا حصہ بھی صرف نہ کیا

Marfat.com

ہو وہ ادھر ادھر سے چند آیات اور چند احادیث جمع کر کے چند گھنٹوں کے اندر بڑے بڑے دینی مسائل کے مجتہدانہ فیصلے کر ڈالیں اور الٹا ان لوگوں کو احمق بنانے کی کوشش کریں جنہوں نے اپنی عمریں اس دین کے نظام اور احکام کو سمجھنے میں کھپا دی ہیں "(یعنی خود مودودی صاحب)

آخر میں وہ لکھتے ہیں

"ان پہلوؤں سے اگر لوگ اپنے ذہن صاف کر لیں اور ہر شخص اور گروہ اپنے حدود کار کو پہچان کر اپنی کارفرمائی و کارگذاری کو اپنی اہلیت تک محدود رکھے تو بہت سی وہ الجھنیں دور ہو جائیں جن کی وجہ سے کام بننے کی بجائے الٹا بگڑ رہا ہے ۔"

(مسئلہ ملکیتِ زمین صفحہ ۱۱۰ ، ۱۱۱)

مولانا صاحب کے یہ ریمارکس ان تمام لوگوں کے متعلق ہیں جو مسئلہ مزارعت میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں اور یہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ یہ اختلاف رکھنے والے کون حضرات ہیں ؟ پہلے ان تمام احادیث کو دیکھئے جو مودودی صاحب کے مسلک کے خلاف ہیں اور پھر اندازہ لگائیے کہ مولانا کے نشتر کی زد (معاذاللہ ۔ معاذاللہ) کہاں تک پہنچتی ہے ۔ پھر ان ائمہ فقہ کو دیکھئے جو مسئلہ مزارعت میں مولانا کے خلاف ہیں اور پھر سوچئے کہ مولانا صاحب کن بزرگوں کے خلاف یہ ریمارکس پاس کر رہے ہیں ۔ اگر یہ حضرات آج زندہ ہوتے تو ہم مولانا کا یہ ہمدردانہ مشورہ ان تک پہنچا دیتے کہ آپ اپنی حدود کار پہچان کر اپنی کار فرمائی اور کارگزاری کو اپنی علمیت تک محدود رکھا کریں اور ایسی اونچی تحقیقات کا میدان ان مجتہدین کے لئے چھوڑ دیا کریں جنہوں نے اس باب میں اپنی عمریں کھپا دی ہیں ۔

غرور بھی انسان کو کس مقام تک پہنچا دیتا ہے ۔ ۔ ۔ ونعوذ باللہ من شرورانفسنا ۔

(یہ مضمون اکتوبر ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا تھا)

Marfat.com

آٹھواں باب

شریعت اسلامی اور مسئلہ ملکیتِ زمین

پچھلے باب میں مودودی صاحب کی کتاب مسئلہ ملکیت کا جو تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے تو اس میں بحث کا زیادہ تر تعلق زمین کے کرائے سے متعلق تھا ۔ زمین کی ملکیت کے مسئلے کو یوں سمجھئے کہ چھیڑا تک نہیں گیا تھا ۔ اور پھر اس کتاب میں زمین کے کرائے کے بارے میں جو بحث کی گئی تھی ، وہ ہمارے لیے محض نظری حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس کا تعلق عشری زمین سے تھا جب کہ ہمارے ملک کے اراضی اسلامی قانون کے مطابق خراجی کہلاتی ہیں جن کی سرے سے خرید و فروخت ہی جائز نہیں ۔ مختصر یہ کہ اسلامی قانون کے مطابق زمین کی دو قسمیں ہیں ایک عشری اور دوسری خراجی، مکانات کے کرائے کی شرعی حیثیت متعین کرنے کے لیے ان دونوں اقسام کے بارے میں اسلامی احکامات کو مد نظر رکھنا ضروری ہے ۔

عشری اراضی

رسول اللہ صلعم کے زمانے میں عرب کی اراضی کی پیداوار کا دسواں حصہ حکومت وصول کرتی تھی ۔ جس سے حکومت کے اخراجات پورے کئے جاتے تھے۔ اصطلاح میں اسے عشر کہتے ہیں اور اسی کی نسبت سے ایسی اراضی عشری اراضی کہلاتی ہیں ۔ عشر کو زمین کی زکوۃ بھی کہا جاتا تھا ۔ کیونکہ یہ نظام زکوۃ کا ایک حصہ تھا ۔ سود کے احکامات جیسا کہ سابقہ ابواب میں واضح کیا جا چکا ہے ۔ سب سے آخر میں نازل ہوئے تھے ۔ ان احکامات کے نازل ہونے کے بعد آپؐ منڈیوں اور کھیتوں میں تشریف لے گئے اور سودی معاملات کی نشاندہی کی ۔ مدینہ منورہ میں زمین کا بٹائی کے اصول پر جو دوسرے کاشتکاروں سے معاملہ کیا جاتا تھا ۔ آپؐ نے اسے سود قرار دے دیا ۔ اس بارے میں سابقہ ابواب مین حضرت رافع بن خدیج اور حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کردہ احادیث پیش کی جا چکی ہیں ۔

Marfat.com

ضرورت سے زائد اراضی کی فروخت

جب آپؐ نے زمین کے کرائے (بٹائی) کو سود قرار دے دیا تو ان صحابہ کرام کہ جن کےپاس اپنی خود کاشت سے زیادہ اراضی تھی فکر دامن گیر ہوئی ۔ کہ وہ اپنی اس زائد اراضی کا کیا کریں ، انہوں نے اسے بیچنے کا فیصلہ کیا لیکن بیچنے سے پہلے اس بارے میں رسول اللہ صلعم سے دریافت فرمایا ۔ آپؐ نے انہیں جو جواب دیا ، امام بخاری اور امام مسلم نے اسے ان الفاظ میں پیش کیا ہے :۔

کان لرجال من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فضول ارضین ۔ فقال رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام من کان لہ ارض فلیزرعھا او لیمنحھا اخاہ فان ابی فلیمسک ارضہ (نیل الاوطار جلد پنجم صفحہ ۲۹۵)

(ترجمہ) بعض اصحاب رسول کے پاس ان کی ضرورت سے زائد زمینیں تھیں ۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہو وہ یا تو خود کاشت کرے یا اپنے بھای کو بخش دے اور اگر ایسا کرنے سے انکار کرے تو بھر اپنی زمین کو روک رکھے ۔

صحابہ کرام نے اس بارے میں ایک سے زیادہ مرتبہ رسول اللہ صلعم ۔ سے دریافت کیا۔ لیکن آپؐ نے کسی صورت میں زمین کو فروخت کرنے کی احازت نہ دی ۔ اوپر والی حدث کے آخری فقرے میں رسول اللہ صلعم کی جانب سے ناراضگی کا اظہار کیا جا رہا ہے ۔ اور اگر واقعی وہ اپنے کسی بھائی کو زمین مفت دینے کی بجائے روک رکھنے کا سوچتے تو اس بارے میں بھی آپؐ نے ان کی غلط فہمی دور کر دی تھی ۔ اور یہ حکم جاری کر دیا ۔ کہ جو کوئی اپنی زمین کو تین سال تک کاشت کے بغیر رکھے گا تو اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی ۔ اور دوسرا بے زمین کاشتکار اسکا زیادہ حقدار ہو گا (کتاب الاموال لابی عبید صفحہ ۲۹۰)

آپؐ کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ شریعت اسلامی میں عشری اراضی کے فروخت کرنے کی بھی اجازت نہیں اور صحابہ کرام کے اصرار کے باوجود آپؐ نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہ دی تھی ۔

خراجی اراضی

اسلامی قانون کے مطابق اراضی کی دوسری قسم خراجی ہے ۔ یہ ان ممالک کی اراضی

Marfat.com

ہیں ، جنہیں مسلمانوں نے فتح کیا تھا ۔ ان ممالک میں مصر ، عراق ، ایران اور برصغیر ہندو پاکستان شامل ہیں ۔ بعد میں جو ممالک فتح ہوئے ان کی اراضی کے بارے میں اسی اسلامی قانون کے مطابق عمل کیا گیا ۔ اس قانون کی مکمل تفصیلات تو ایک عرب جید عالم کی زبانی اگلے باب میں پیش کی جا رہی ہیں تاہم اس قانون کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ جب عراق کا ملک فتح ہوا تو حضرت عمر نے مفتوحہ اراضی کو مسلمان مجاہدین میں تقسیم کرنے کی بجائے انہیں اسلامی بیت المال کی ملکیت قرار دے دیا تھا صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کے بعد آپ نے مفتوحہ ممالک کی اراضی کے بارے مین یہ فتویٰ دیا :۔

"وقد رایت ان احبس الارضین بعلوجها واضع علیهم منها الخراج وفی رقابهم الجزیۃ یودونها فتکون فیئاً للمسلمین

(کتاب الخراج از امام ابو یوسف صفحہ ۲۵)

(ترجمہ) اور میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان زمینوں کو مع کاشت کاروں کے مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار دے دوں اور ان کاشت کاروں پر خراج عائد کروں اوران پر فی کس جزیہ بھی ہو ۔ جسے وہ ادا کرتے رہیں اور یہ مسلمانوں کے لیے مال فئی (یعنی ان کے بیت المال کی آمدنی) ہو گا ۔

اس طرح حضرت عمر نے ایران و عراق کی تمام مفتوحہ اراضی کواسلامی بیت المال کی ملکیت قرار دے دیا ۔ ان اراضی سے جو آمدنی آتی تھی اس سے فوج اور حکومت کے دوسرے شعبوں کے اخراجات پورے کئے جاتے تھے اور جو کچھ باقی بچتا تھا وہ ان میں مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کر دیا جاتا تھا ۔ ان زمینوں کے کاشتکاروں کی حیثیت آج کل کے مزارعین کی طرح نہیں تھی کہ جب چاہا انہیں نکال دیا ۔ حکومت بھی انہی کسی جرم کے بغیر زمینوں سے بے دخل نہیں کر سکتی تھی ۔ اس بارے میں مندرجہ زیل اسلامی قانون پر عمل کیا جاتا تھا ۔

ولیس للامام ان یخرج شیئاً من ید احد الا بحق ثابتٍ معروفٍ ۔(شامی لابن عابدین جلد سوم صفحہ ۳۵)

(ترجمہ) مسلمان حکمران کو بھی اس امر کا اختیار نہیں کہ وہ ان زمینوں کے کاشتکاروں کو بغیر کسی معروف ثابت حق کے محروم کر دے ۔

Marfat.com

اور یہ معروف ثابت حق یہ تھا کہ وہ زمینیں کو غیر آباد چھوڑ دیں یا کسی اور طرح سے اسے بنجر بنائیں ۔ یہ زمین کاشتکاروں کی وفات کے بعد ان کی اولاد کو وراثت میں منتقل ہو جاتی تھیں ۔ اس لیے بعض کو گمان ہوا کہ وہ شاید اس کے مالک ہیں ۔ تاہم حضرت عمر نے ان کی یہ غلط فہمی دور کر دی تھی وہ یوں کہ آپ کے زمانے میں ایک صحابی حضرت عتبہ بن فرقد نے اس غلط فہمی کی بنا پر کہ مفتوحہ اراضی پر کام کرنے والے کاشتکار اس کے مالک ہیں ۔ ایک ذمی سے عراق مین زمین کا ایک قطعہ خرید لیا حضرت عمر نے انہیں بلا بھیجا اور ان سے کہا :۔

قال لعتبۃ بن فرقد حین اشتری ارضاً علی شاطئ الفرات ممن اشتریتہا ، قال من اہلہا ، قال ہولاءِ اہلہا واشار الیٰ المہاجرین والانصار ۔ (کتاب الاموال لابی عبیدہ صفحہ ۱۸۳ پہرہ نمبر ۱۸۳)

(ترجمہ) حضرت عتبہ بن فرقد نے جب ساحل فرات پر ایک قطعہ زمین خریدا تو حضرت عمر نے ان سے پوچھا کہ تم نے یہ قطعہ زمین کس سے خریدا ہے تو عتبہ بن فرد نے جواب دیا کہ اس کے مالکوں سے ، حضرت عمر نے مہاجرین و انصار کے مجمعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس زمین کے مالک تو یہ لوگ ہیں ۔

ذمیوں کے اسلام لانے کے باوجود زمین اسلامی ریاست کی ملکیت رہی

تمام مفتوحہ ممالک کی اراضی کو جب بیت المال کی ملکیت قرار دے دیا گیا تو ان اراضی پر خراج عائد کر دیا گیا ۔ خراج غیر مسلموں پر کوئی ظالمانہ ٹیکس نہیں تھا جیسا کہ بعض مستشرقین نے تاثر دینے کی کوشش کی ہے ۔ یہ زمین کا ٹیکس تھا جو تمام کاشتکار چاہے وہ مسلمان تھے یا غیر مسلم تھے اسلامی حکومت کو ادا کرتے تھے ۔ حضرت علی کے زمانے میں جب بعض ذمی کاشتکار اسلام لائے تو انہیں بھی یہ غلط فہمی ہوئی کہ وہ زمین کے مالک ہیں اور خراج ان پر ان کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے ٹیکس تھا اس لئے انہوں نے اس اراضی کو جس پر وہ کاشت کرتے تھے فروخت کرنا چاہا۔ لیکن حضرت علی نے ان پر واضح کر دیا تھا ۔ کہ جب تک وہ چاہیں ان اراضی سے استفادہ کر سکتے ہیں ۔ لیکن اگر وہ کہیں اور منتقل ہونا چاہتے ہیں تو وہ ان زمینوں کو فروخت نہیں کر سکتے کیونکہ یہ اسلامی بیت المال کی ملکیت ہیں ۔ امام ابو عبیدہ نے ایسے دو واقعات کا ذکر اپنی کتاب الاموال میں کیا ہے :۔

Marfat.com

عن الزبیر بن عدی قال اسلم دہقان علی عہد علی فقال لہ علی ان اقمت فی ارضک رفعنا عنک جزیہ راسئک ،واخذنا من ارضک وان تحولت عنہا فنحن احق بہا

(کتاب الاموال لابی عبیدہ مطبوعہ مصر صفحہ ۴۸)

(ترجمہ) زبیر بن عدی کہتے ہیں کہ حضرت علی کے عہد خلافت میں ایک کاشتکار نے اسلام قبول کیا ، حضرت علی نے اس سے فرمایا کہ اگر تم اپنی زمین پر قائم رہو گے تو ہم تم پر جزیہ معاف کر دیں گے لیکن تمہاری زمین کا خراج تم سے لیتے رہیں گے ۔ اگر تم اپنی زمین چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جاو گے تو ہم اس زمین کے زیادہ حقدار ہیں ۔

یعنی یہ زمین اسلامی بیت المال کی ملکیت میں ہی رہے گی ۔ حضرت علی کے اس فیصلے سے مسئلہ ملکیت کا الجھاؤ بڑی حد تک صاف ہو جاتا ہے ۔ آپ اس کاشتکار کو ایک طرح سے مالک زمین تصور کر کے اس سے بات کر رہے ہیں ، لیکن جب وہ اس زمین کو چھوڑ کر کہیں اور جانا چاہے گا تو اس زمین پر اس کے ہر قسم کے حقوق ختم ہو جائیں گے ۔ وہ اس کی ملکیت نہیں تھی کہ وہ اسے فروخت کر سکے ، وہ بیت المال کی ملکیت تھی اور بیت المال کی ملکیت ہی رہے گی ۔ اس بارے میں حضرت علی کا ایک دوسرا فیصلہ ملاحظہ ہو :۔

عن محمد بن عبید اللہ الثقفی ان دہقاناً اسلم فقام الی علی فقال لہ علی اما انت فلاجزیۃ علیک واما ارضک فلنا ۔ (ایضا)

(ترجمہ) محمد بن عبید اللہ ثقفی سے روایت ہے کہ ایک کاشتکار نے اسلام قبول کیا تو وہ حضرت علی کی خدمت میں پہنچا ۔ آپ نے اس سے کہا کہ اب تم پر سے جزیہ معاف ہو گیا ہے لیکن تمہاری زمین اسلامی بیت المال کی ملکیت ہے ۔ مختصر یہ کہ مفتوحہ ممالک کی تمام اراضی کو اسلامی مملکت کی ملکیت تصور کر لیا گیا تھا ۔ جو ان کے سابقہ کاشتکاروں کے پاس رہنے دی گئی ۔ ان کاشتکاروں کو ان اراضی پر قابضانہ حقوق حاصل تھے اور وہ ان کی اولاد میں منتقل ہوتی رہتی تھیں ۔ ان اراضی کی یہ حیثیت ترکی میں عثمانی خلافت کے خاتمے تک قائم رہی ۔ اس دور میں ان اراضی کا انتظام کس طرح کیا جاتا تھا اس کے بارے میں علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں :۔

Marfat.com

(ترجمہ) بیت المال کی اراضی جنہیں سرکاری زمینیں یا اراضی حوز کہا جاتا ہے ۔ جب وہ کاشتکاروں کے قبضے میں ہوں گی تو جب تک وہ اسکا خراج یعنی پیداوار کا ایک حصہ ادا کرتے رہیں گے ، ان سے واپس نہیں لی جا سکتی ۔ یہ اراضی ان کاشتکاروں کی وفات کے بعد ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوگی اور نہ ہی وہ اسے فروخت کر سکتے ہیں ۔ لیکن عثمانی خلافت میں یہ رواج ہوا کہ جب ایسی زمینوں پر کام کرنے والے کاشتکار مر جائیں ۔ تو وہ زمین بغیر کسی قیمت کے ان کی نرینہ اولاد کو منتقل ہو جائے گی ۔ اگر بیٹا نہ ہوتا تو وہ زمین بیت المال کی ملکیت میں منتقل ہو جاتی چاہے اس کی حقیقی بیٹی اور حقیقی بھائی موجود ہوتا ۔

(رد المحتار علی درالمختار لابن عابدین جلد سوم صفحہ ۳۵)

اس اقتباس میں بیت المال کی اراضی کے لیے ارض حوز کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے ۔ اس سے خلط مبحث ہو سکتا ہے اس لیے اس کی وضاحت ضروری ہے ۔ مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہارویؒ ہندوستان کی زمینون کی شرعی حیثیت کے بارے میں علمائے ہند کے فتاوٰی نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔

"علمائے اسلام کے یہ فتاوٰی مغل بادشاہوں کے دور میں اور برٹش حکومت کے ابتدائی دور میں اس سلسلے میں زبردست تحریر آئے ہیں ، کہ اراضی ہند اشخاص و افراد کی ملکیت نہیں ہے بلکہ وقف للمسلمین کی حیثیت میں حکومت (بیت المال) کی ملکیت ہیں اور ایسی زمین کو اسلام کے معاشی نظام کی اصطلاح میں "ارض المملکت" یا ارض الحوزہ کہا جاتا ہے جیسا کہ حضرت عمر نے ارض عراق کے متعلق یہی فیصلہ فرمایا ۔ اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر کے آئندہ کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا ۔

برصغیر ہند و پاک کی زمینوں کی شرعی حیثیت

مولانا حفظ الرحمن کی اس تحریر سے برصغیر ہند و پاکستان کی اراضی کی شرعی حیثیت واضح ہو جاتی ہے ۔ پھر وہ اس کی تائید میں ایک بڑے فقہہ مولانا محمد اعلٰی تھانوی کا فتوی نقل کرتے ہیں جس کا ذکر مولانا سیدّ محمد انور شاہ کشمیری نے اپنی تقریرِ درس "العرف الشذی" میں کیا ہے :۔

Marfat.com

"اور مولانا محمد اعلیٰ تھانوی نے اپنے رسالے میں ذکر کیا ہے کہ اراضی ہند نہ عشری ہیں اور نہ خراجی بلکہ اراضی حوزہ ہیں یعنی حکومت کے بیت المال کی ملکیت ہیں ، یہ کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہیں (ایضاً)

خراجی اراضی بھی بیت المال ہی کی ملکیت ہوتی تھیں اور انہیں ہی اراضی حوزہ کہا جاتا تھا ۔ بعض اہل علم کو اس بارے میں التباس ہوا ہے ۔ جسے بعد میں علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے دور کیا ۔ اس کا ذکر آگے آتا ہے ۔

اس کے بعد مولانا برصغیر ہند و پاک کی اراضی کے بارے میں دوسرے فقہا کے فتاویٰ نقل کرتے ہین ۔ ان میں سے پہلا فتوٰی شیخ جلال الدین تھانسیری کا ہے ۔ وہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید ایک متبحر عالم اور شیخ کامل تھے ۔ دہلی کے قریب مشرقی پنجاب میں علاقہ تھانسیر ان کا وطن مالوف تھا اور آپ وہیں پچانوے سال زندہ رہ کر ۹۸۹ھ میں انتقال فرمایا ۔ آپ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی تھی جس کا نام 'رسالہ تحقیق اراضی ہند' تھا ۔ اپنی اس کتاب میں اس مسئلہ کے ہر پہلو پر گفتگو کرنے کے بعد آپ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ برصغیر ہند و پاک کی اراضی بیت المال کی ملکیت ہیں ۔ آپ کی اس بحث کا خلاصہ چونکہ حضرت شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ نے اپنے فتوے میں بھی دے دیا ہے اور اس کی مزید وضاحت بھی کی ہے ۔ اس لیے ہم شیخ جلال الدین کی بحث کو نقل کرنے کی بجائے حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کا فتوی نقل کر دینا ہی کافی سمجھتے ہیں ، کیونکہ اس میں ان دونوں بزرگوں کے فیصلے یکجا سامنے آ جائیں گے ۔

اراضی ہند و پاک کے بارے میں شاہ عبدالعزیز کا فتوٰی

آپ اپنے اس فتوٰی میں فرماتے ہیں :۔

"اور حضرت شیخ جلال تھانسیری قدس اللہ سرہ العزیز نے ایک رسالہ اراضی ہند کے احکام کے بارے میں لکھا ۔ اور اس کتاب میں انہوں نے اس مسلک کو کہ ہندوستان کی زمین زمینداروں کی ملک ہے ، بہت سے دلائل و شواہد سے باطل قرار دیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ برصغیر ہند و پاکستان کی اراضی ، آج بھی بدستور سابق ، عراق کی اراضی

کی طرح عامۃ المسلمین کے لیے وقف ہیں ۔ یعنی اسلامی بیت المال کی ملکیت ہیں کسی شخص و فرد کی ملیکت نہیں اور زمینداروں کو ان اراضی کا چودہری اور نگران ہونے سے زیادہ کوئی دخل نہیں ہے اور قاضی محمد اعلٰی تھانوی رحمۃاللہ علیہ نے بھی اس بارے میں ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اور انہوں نے اس مین شیخ جلال ہی کے مسلک کو ترجیح دی ہے ۔

(فتاوٰی عزیزی جلد اول صفحہ ۴۳ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا حفظ الرحمن صاحب فرماتے ہیں کہ شاید اس مسلک کی بنیاد پر جو کہ حضرت جلال تھانسیری قدس اللہ سرہ نے اپنے رسالے میں اختیار فرمایا ہے کہ ہندوستان کی زمین ابتدا فتح میں عراق کی طرح جو کہ حضرت فاروق کے زمانے میں فتح ہوا تھا ، بیت المال کی ملکیت پر ہی قائم ہے اور زمیندارون کو اس کے سوا کہ وہ اس کے متولی و دروغہ ہیں اور کاشت کاروں کو تلاش کرنے اور زراعت میں اعانت بہم پہنچانے اور حفاظت کے سوا کوئی دخل نہیں ،

(اسلام کا اقتصادی نظام از مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی صفحہ ۴۰۲)

برصغیر ہند و پاکستان کی اراضی کی شرعی حیثیت کے بارے میں علماء کے فتاوٰی نقل کرنے کے بعد مولانا اس مضمون کوان الفاظ پر ختم کرتے ہیں :۔

"علماء اسلام کے ان فتاوی کے علاوہ مغل بادشاہوں نے اراضی ہند پر جو تصرفات قائم رکھے ، نیز شاہ عالم نے سرطامس رو کو دیوانی احکام سپرد کرتے ہوئے ، زمینداروں کے بارے میں جو معاہدہ کیا اور سراج الدولہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال میں دیوانی اختیارات حوالہ کرتے ہوئے ، بنگال کی زمینوں کے متعلق جو معاہدہ کیا وہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ یہ بادشاہ اور ابتدائی دور میں خود انگریزی حکومت اراضی ہند کو زمیندار و تعلقہ دار کی ذاتی شخصی ملکیت نہین سمجھتے تھے اوو حکومت کی ملک شمار کرتے ہوئے ان کو نگران اور قسم کی حیثیت دیتے تھے ۔ (ایضا)

برصغیر ہند و پاک میں کوئی عشری زمین نہیں

برصغر کے ایک مشہور عالم دین علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے یہ محسوس کیا کہ بعض ایسے مسائل جن کا برصغیر سے تعلق نہیں ہمارے علماء ان کی اصل حقیقت سے بے خبر

Marfat.com

ہونے کی وجہ سے ان میں الجھ جاتے ہیں جس کی ایک مثال سطور سابقہ میں سامنے آ چکی ہے ۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے انہوں نے ایک کتاب 'مالا بدمنہ' لکھی ۔ اس میں سے آپؒ نے وہ تمام مسائل خارج کر دیئے جن کا عملاً کوئی وجود نہیں تھا ۔ مثلاً عشر کے مسائل بیان کرنے کی بجائے آپ نے تحریر فرمایا کہ چونکہ برصغیر ہند و پاکستان میں سرے سے کوئی عشری زمین ہی نہیں اس لئے یہاں عشر کے مسائل بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں ۔ خراجی اراضی کے بارے میں علمائے اسلام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں کی ملکیت رہیں گے ۔ اوران کی خرید و فروخت جائز تصور نہ ہو گی ۔ اس کی مزید تفصیلات اگلے باب میں ملیں گیں ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دشمن ایسی اراضی پر قبضہ کر لے تو پھر ان کی حیثیت کیا ہوگی ۔ اس بارے میں بھی علماء کا واضح فتوٰی موجود ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان اراضی کو دشمن سے واپس لیں اور جونہی مسلمان یہ زمین واپس لے لیں گے اس کا پہلا شرعی حکم بحال ہو جائے گا یعنی اگر عشری ہو گی تو عشری رہے گی خراجی ہو گی تو خراجی رہے گی ۔

(فتاوٰی عالمگیری اردو ترجمہ شیخ غلام علی جلد سوم صفحہ ۵۲۸)

خود ہمارے قدامت پسند علماء کے جن کے ذہن مسئلہ ملکیت زمین کے بارے میں اچھی طرح واضح نہیں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں ۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے اس موضوع پر ایک کتاب "اسلام کا نظامِ اراضی" تصنیف فرمائی ہے ۔ اس میں وہ اراضی پاکستان کی شرعی حیثیت کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"سابقہ تفصیل میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ پاکستان میں غیر مسلموں کی چھوڑی ہوئی اراضی شرعاً اراضی بیت المال کے حکم میں ہیں ' جن کا ضابطہ شرعی یہ ہے کہ حکومت پاکستان ان کی متولی ہے ۔ وہ ان زمینوں کو باشندگان ملک مین حسب صوابدید تقسیم بھی کر سکتی ہے اور ان کی ضروریات کے مطابق ان میں مساجد ، مدارس اور رفاہی ادارے خود بھی بنا سکتی ہے اور دوسرے مسلمانوں کو بنانے کے لیے بھی دے سکتی ہے ۔

(اسلام کا نظام اراضی تالیف مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ ۱۴۹)

افسوس ہے کہ مفتی صاحب نے اراضی پاکستان کا صرف اس حد تک جائزہ لیا ۔ جتنی ان کی ضرورت تھی ۔ ان کے اس فتوے کا مقصد دینی مدرسے کے لیے اراضی کا الاٹ کرانا تھا ۔ لیکن اگر وہ علمائے اسلام کے فتاوٰی کی روشنی میں تمام اراضی پاکستان کی حیثیت متعین کر دیتے تو اس سے اس اہم مسئلہ کے سمجھنے میں بڑی آسانی ہو جاتی ۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ہم نے آئندہ باب میں دنیائے عرب کے ایک بہت بڑے عالم دین کے مقالے کا ترجمہ پیش کیا ہے ۔

خراجی زمینوں پر تعمیر مکانات کا کرایہ

ہمارے سامنے اصل مسئلہ مکانات کے کرائے کے جواز یا عدم جواز کا ہے ۔ اوپر جو تفصیلات پیش کی جا چکی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں کی اراضی خراجی ہیں جو عملًا اسلامی حکومت کی ملکیت تھیں ۔ ان پر کاشت کرنے والے کسان براہ راست حکومت سے معاملہ کرتے رہے اور غیر حاضر زمینداروں کے طبقے کی اس نظام میں کوئی گنجائش نہیں ۔ یہ طبقہ انگریزوں نے بنگال کے بندوبست دوامی مجریہ ۱۷۹۳ء کے تحت پیدا کیا تھا اور جو لوگ مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ان اراضی کے نگران کے طور پر کام کرتے تھے ، انہیں ان اراضی کا مالک بنا دیا گیا ۔ جہاں تک خراجی اراضی پر مکانات کی تعمیر کا تعلق ہے ، تو اس بارے میں ان کا وہی حکم ہے ۔ جو علمائے اسلام نے بغداد کے مکانات کے بارے میں جاری کیا تھا انہوں نے اس بارے میں یہ فتوی دیا تھا ۔

ومنع جماعۃ من العلماء من بیع ارض بغداد لکونہا من ارض السواد ۔ وارض السواد عندہم موقوفۃ لا یصح بَیْعُہا

(تاریخ بغداد تالیف خطیب بغدادی جلد اول. صفحہ ۴)

(ترجمہ) علماء کی ایک جماعت نے بغداد کی زمین کی فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ وہ سواد کی زمین ہے اور سواد (یعنی مفتوحہ ممالک) کی اراضی ان کے نزدیک مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہے ۔ جس کی فروخت جائز نہیں ۔

آگے چل کر فرمایا ہے ۔ کہ جو لوگ ایسی زمین پر مکان تعمیر کریں گے وہ زمین کے ملبے کے مالک ہوں گے ۔ زمیں ان کی ملکیت نہیں ہو گی ۔(ای بیع ارض بغداد لکونہا من ارض السواد ۔ وارض السواد عندہم موقوفۃ لا یصح بَیْعُہا

Marfat.com

(تاریخ بغداد تالیف خطیب بغدادی جلد اول صفحہ ۴)

(ترجمہ) علماء کی ایک جماعت نے بغداد کی زمین کی فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ وہ سواد کی زمین ہے اور سواد (یعنی مفتوحہ ممالک) کی اراضی ان کے نزدیک مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہے ۔ جس کی فروخت جائز نیہں ۔

مکانات کی قلت دور کرنے کی ایک تجویز

زمانہ جدید میں آبادی کی کثرت کی وجہ سے ایسے مسائل پیدا ہو چکے ہیں جن کا پہلے زمانے میں وجود نہیں تھا ۔ مکانات کے سلسلے میں ایک تو یہ ہے کہ اکثر لوگ اپنے مکانات خود تعمیر کر سکتے ہیں اور بعض استثنائی صورتوں میں وہ انہیں کرانے پر بھی دے سکتے ہیں لیکن اس کرائے والے معاملے کی کھلی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ مالک مکان ، خود اپنے مکان کی زمین کا بھی مالک نہیں ہوتا ۔ اس لئے موجودہ دور کی ذمہ داریوں کو سامنے رکھتے ہوئے حکومت اس مقصد کے لیے ایک ادارہ قائم کر سکتی ہے ۔ جو ہر شہر میں وہاں کی ضرورت کی مطابق مکان تعمیر کرے اور جس طرح وہ خراجی زمین کا کرایہ وصول کرتی ہے وہ ان مکانات کا کرایہ بھی وصول کرے ۔ یہ ادارہ فلاحی اصولوں پر قائم ہو گا اور اسے صرف اتنا کرایہ وصول کرنے کا حق ہو گا کہ جس سے اس ادارے کے اخراجات پورے ہوں ۔ تاہم اس مقصد کے لیے صرف اتنا کچھ کرنا کافی نہ ہو گا ۔ بلکہ زمین کی خرید و فروخت پر پابندی عائد کرنا ہو گی اور ہر ضرورت مند کو اس کی ضرورت کے مطابق پلاٹ مہیا کرنا ہو گا ۔ زمین کی خرید و فروخت پر پابندی سے ہر اہل وطن کو اس کی ضرورت کے مطابق پلاٹ مل سکے گا ۔

آج یہ پلاٹ ہمارے معاشرے کو بد دیانت بنانے کا ایک ذریعہ بن چکے ہیں ۔ یہ لوٹ کھسوٹ ختم ہونی چاہیے اور ہر آدمی کو صرف اتنی عمارت تعمیر کرنی چاہیے جتنی اس کی ضرورت ہو ، اگر اس اصول پر عمل کیا گیا تو اس وقت لاکھوں بلکہ کروڑوں لوگ جو اپنے سر چھپانے کے لیے مکانات کرائے لینے پر مجبور ہیں وہ خود اپنے مکان بنانے کے قابل ہو جائیں گے اس بارے میں رسول اللہ صلعم کے اس عمل کو سامنے رکھنا ہو گا :۔

Marfat.com

ایک دن رسول اللہ صلعم مدینہ سے باہر تشریف لے گئے ۔ تو آپؐ نے ایک بلند گنبد نما مکان دیکھا ، آپؐ نے دریافت کیا یہ کیا ہے ، صحابہ نے عرض کیا کہ یہ فلاں انصاری کا مکان ہے ، اس پر آپؐ خاموش ہو گئے اور بات اپنے دل میں رکھی ۔ تاآنکہ وہ آدمی آپؐ کے پاس آیا اور بھری مجلس میں آپ کو سلام کیا آپؐ نے اسے نظر انداز کر دیا ۔ آپؐ نے کئی بار ایسا کیا یہاں تک کہ وہ انصاری بھانپ گیا کہ آپؐ اس سے خفا ہیں اور قصداً اعراض فرما رہے ہیں ۔ اس نے صحابہ کرام سے شکوہ کیا اور کہا کہ اللہ کے قسم ؛ مجھے حضور خفا نظر آتے ہیں ، صحابہ نے اسے بتایا کہ آپؐ باہر تشریف لے گئے تھے تو آپؐ نے تیرا قبہ نما مکان دیکھا تھا ، یہ بات سن کر وہ آدمی لوٹ آیا اور آکر اپنے گنبد نما مکان کو زمین کے برابر کر دیا ، پھر رسول اللہ صلعم ایک دن باہر تشریف لے گئے تو اسے نہ دیکھا ۔ دریافت فرمایا تو لوگوں نے اس کے مالک کا حال بیان کیا اس پر آپ نے فرمایا کہ آگاہ رہو کہ ہر عمارت اپنے مالک کے لیے ، وبال کا باعث ہو گی ، بجز اس کے جو ناگزیر ہو (ابو داؤد جلد دوم صفحہ ۶۵۰ باب ماجاء فی البناء)

حضور صلعم کے اس ارشاد کی روشنی میں کسی مسلمان کو اپنی ضرورت سے زیادہ مکان ، سرے سے بنانے کی اجازت ہی نہیں ۔ اور اگر کسی وقت اس کا مکان یا مکان کا کچھ حصہ خالی ہو جاتا ہے ۔ تو اس سے توقع کی جائے گی کہ وہ اپنے ضرورت مند مسلمان بھائی کو مفت دے دے اور اگر وہ کرایہ لینے پر اصرار کرے تو کرایہ بھی لے سکتا ہے ۔ لیکن یہ کرایہ اس کی پاکیزہ آمدنی شمار نہ ہو گی ۔

موجودہ زمانے کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے حکومت خود ایسا ادارہ قائم کر سکتی ہے جو مختلف شہروں میں بے گھر لوگوں کی ضروریات کے لیے مکان تعمیر کرائے یا وہاں کے میونسپل اداروں کو یہ کام سونپا جا سکتا ہے ۔ ان اداروں کی کوشش یہ ہو گی کہ ہر آدمی کو سر چھپانے کے لئے اپنی چھت میسر ہو ، اور جب تک اس کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ ہو ، اسے کرایہ کا مکان مہیا کیا جائے ۔ حکومت یہ کرایہ خراجی زمین کے خراج کے اصول کے طور پر وصول کر سکتی ہے ، لیکن اس سلسلے میں عوام کے مفاد کو مقدم رکھنا ہو گا ۔ اور کرایہ کی شرح اتنی مقرر کرنی ہو گی ۔ جسے کرایہ دار آسانی سے ادا کر سکیں اور جب وہ اتنا کرایہ ادا کر چکیں جو مکان کی مالیت کے برابر ہو ، تو پھر وہ مکان ان کے نام منتقل کر دیا جائے ۔ اس کی مثال اسلام کے معاشی مقاصد والے باب میں بیان ہو گی ۔

Marfat.com

نواں باب

زمین کی ملکیت اور کرائے کے بارے میں عرب علماء کا نقطۂ نظر

سال ۱۹۵۷ء کے آخر میں پنجاب یونیورسٹی کی جانب سے ملکیت زمین اور اس سے متعلقہ مسائل کے بارے میں ایک بین الاقوامی مجلس مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا تھا ۔ اس مذاکرے میں دنیا بھر سے مسلمان علماء اور دانشوروں کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی ۔ اس موضوع پر علمائے عرب کی جانب سے چند مقالات پیش کئے گئے تھے ۔ جن میں سے زیادہ مفصل شیخ محمد المنتصر الکتانی کا مقالہ تھا دوسرے عرب علماء نے جو مقالات پیش کئے تھے ، ان کا خلاصہ بھی اس مقالے میں آگیا تھا ، اس لئے اس موضوع پر دنیائے عرب کا نقطۂ نظر سمجھنے کے لیے شیخ الکتانی کے مقالے کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے ۔ مذکورہ بالا مذاکرے میں پیش کئے جانے والے تمام مقالات ، بعد میں پنجاب یونیورسٹی کی جانب سے کتابی صورت میں شائع کئے تھے ۔ یہ مضمون اس مجموعے کے عربی حصے کے صفحات ۱۸۸ تا ۲۰۱ پر مشتمل ہے ۔ (مولف)

اراضی کی اقسام

ارشاد ربانی ہے کہ زمین کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ خود ہیں اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ، اس کا وارث بنا دیتا ہے ۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے ۔ کہ ہم نے پہلے کی الہامی کتاب زبور میں بھی یہ حکم نازل کیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے ۔ پھر فرمایا کہ یہ بات مسلمانوں تک پہنچا دی گئی ، جس پر انہوں نے قانوناً اور شرعاً عمل کرنا ہو گا ۔

شریعت اسلامی کے مطابق زمین کے وارث وہ لوگ ہیں ، جو اسے آباد کرنے کے اہل ہوں ۔ یہ لوگ افراد بھی ہو سکتے ہیں اور جماعتیں بھی ۔ اگر افراد ہوں گے تو وہ زمین کے بھی مالک ہوں گے اور اس کی پیداوار کے بھی ، لیکن اجتماعی ملکیت کی صورت میں اراضی مملکت کی ملکیت ہو گی اور عوام اس کی پیداوار میں برابر کے شریک ہوں گے ۔ شریعت اسلامی میں مندرجہ ذیل چار قسم کی اراضی کی انفرادی یا اجتماعی ملکیت قائم ہو

سکتی ہے ۔

۱ ۔ وہ اراضی جن کے مالک مسلمان ہو گئے ۔

۲ ۔ وہ اراضی جن کے مالکان نے مسلمانوں سے صلح کر لی ۔

۳ ۔ مردہ زمینیں ، جنہیں آباد کیا جائے ۔

۴ ۔ کاشت کے بغیر پڑی ہوئی اراضی

اراضی کی پہلی قسم وہ ہے کہ جن کے مالکان نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا ۔ اسلامی قانون کے مطابق ، یہ اراضی ان کے سابق مالکان کی ملکیت ہی میں رہے گی ۔ جیسا کہ مدینہ منورہ 'طائف' انڈونیشیا اور اس قسم کے دوسرے علاقے ۔ اس بارے میں فیصلہ خود رسول اللہ نے دیا تھا ۔ جیسا کہ سنن ابو داؤد میں منقول ہے ۔ خلفائے راشدین نے آپؐ کے اس فیصلے پر عمل کیا اور جمہور فقہائے اسلام کا بھی یہی فتوٰی ہے ۔ دوسری قسم سے ایسے ممالک یا علاقوں کی اراضی مراد ہے جنہوں نے مسلمانوں سے لڑائی کرنے کی بجائے ان سے صلح کر لی ، ان میں فدک ، نجران ، ہجر وغیرہ کے علاقے شامل ہیں ۔ تیسری قسم مردہ اراضی کی ہے ۔ یہ وہ اراضی ہے کہ جسے کسی نے آباد کرنے کی کوشش نہیں کی ۔ اور ان اراضی کے مالکان کا بھی کوئی علم نہیں چاہے یہ اراضی مسلمانوں کی ہوں یا غیر مسلموں کی ۔ جو بھی ان اراضی کو آباد کرے گا وہی ان کا مالک متصور ہو گا ۔ تاہم اس حکم کا اطلاق مفتوحہ ممالک کی اراضی پر نہ ہو گا ۔ جن کی تفصیل آگے بیان ہو گی ۔ جو مسلمان مردہ قسم کی زمینوں کے لیے پانی وغیرہ مہیا کر کے انہیں آباد کرے گا تو وہ اس آباد رقبے کا بھی مالک ہو گا اور اس مین پیدا ہونے والی فصل کا بھی ۔ حنفی فقہہ کے بانی امام ابو حنیفہ اس بارے میں یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ زمین کے تنازعے وغیرہ سے بچنے کے لئے اس زمین کو آباد کرنے سے پہلے حکومت کی اجازت حاصل کر لینی چاہیے ۔ تاہم ان کے دو شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد اپنے استاد سے اختلاف کرتے ہوئے جمہور فقہاء کے فتوی کی تائید کرتے ہیں کہ ایسی زمین کی ملکیت کے لیے حکومت کی اجازت کی ضرورت نہیں جو بھی کاشتکار اسے آباد کرے گا وہی اس کا مالک تصور ہو گا ۔ اس بارے میں خود رسول اللہ صلعم کے متعدد ارشادات موجودات ہیں ، جن میں حکومت کی اجازت کی شرط کا ذکر نہیں ۔

چوتھی قسم ان اراضی پر مشتمل ہے کہ جو ہیں تو آباد لیکن کسی وجہ سے ان پر کئی سالوں سے کاشت نہیں کی جا رہی جس کی وجہ سے وہ غیر آباد ہو گئی ہے ۔ اب جو بھی

Marfat.com

مسلمان کاشتکار اسے دوبارہ زندہ کرے گا وہی اس کا مالک متصور ہو گا ۔ اس بارے میں حضرت عمر بن خطاب ، حضرت علی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمان جاری کئے تھے ۔ حضرت عمر نے تو اس مقصد کے لئے تین سال کی عمر مقرر کر دی تھی اگر کسی کی زمین تین سال تک بغیر کاشت پڑی ہو تو دوسرا مسلمان اسے آباد کر کے اس کا مالک بن سکتا ہے ۔ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر نے یہ رعایت دی کہ اگر اس زمین کا پہلا مالک چاہے تو اس کی آباد کاری پر اٹھنے والے خرچ کو ادا کر کے اپنی اراضی کی ملکیت دوبارہ حاصل کر سکتا ہے ۔ دراصل اسلام چاہتا ہے کہ زمین آباد ہو تاکہ لوگوں کو کھلا رزق ملے ۔ اور اسی وجہ سے غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کے لئے خلفاء نے مذکورہ بالا احکامات جاری کئے ۔

وہ اراضی جن کی انفرادی ملکیت جائز نہیں

وہ اراضی کہ افراد جن کے مالک نہیں ہو سکے وہ بھی چار قسم کی ہیں ۔

۱ ۔ اراضی عادیہ ۔
۲ ۔ اراضی صافیہ ۔
۳ ۔ جاگیریں ۔
۴ ۔ مفتوحہ ممالک کی اراضی

اراضی عادیہ سے مراد ایسی زمینیں ہیں کہ جو کسی زمانے میں خوب آباد تھیں ۔ لیکن بعد میں وہاں آبادیوں کا نام و نشان تک مٹ گیا ۔ یہ اراضی اسلامی حکومت کی ملکیت قرار پاتی ہیں ۔ اور اسلامی حکومت عوام کے مفاد کے مطابق ان اراضی کو استعمال میں لا سکتی ہے ۔ ایسی اراضی اور مردہ اور صوافی اراضی سے رسول اللہ صلعم اور خلفائے راشدین لوگوں کو جاگیریں دیا کرتے تھے ۔ اراضی صافیہ سے مراد ایران کے شاہی خاندان کی ذاتی ملکیت کی اراضی تھیں ۔ تو یہ بھی اسلامی مملکت کی ملیکت قرار پائیں ۔ جنہیں وہ امت مسلمہ کے مفاد کے لیے استعمال کرے گی ۔ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عمال کو ان اراضی کے بارے میں ایسا ہی حکم نامہ ارسال کیا تھا ۔

جاگیروں کی اراضی

یہ عام اراضی اور اراضی صافیہ کے وہ قطعات تھے جنہیں اسلامی حکومت مسلمانوں

Marfat.com

اور اسلام کی خدمت کرنے والوں کو بطور معاوضہ عطا کرتی تھی ۔ جنہیں جاگیریں عطا کی جاتی تھیں وہ ان کے مالک نہیں بن جاتے تھے ، صرف ان کی فصلوں کے حقدار ہوتے تھے ، اس لئے نہ تو وہ اراضی کو فروخت کر سکتے تھے اور نہ ہی وہ وراثت میں تقسیم ہوتی تھی ۔ اسلامی حکومت جب بھی چاہتی ، ان اراضی کو واپس لے سکتی تھی یا جب جاگیردار سستی یا غفلت کی وجہ سے ان اراضی کی آباد کاری کی طرف توجہ نہ کرتے تھے تو تب بھی حکومت یہ اراضی ان سے واپس لے سکتی تھی ۔ اس بارے میں حضرت عمر کا عمل مشہور ہے انہوں نے حضرت تمیم الداری اور حضرت بلال بن الحارث سے یہ جاگیریں واپس لے لی تھیں کیونکہ وہ انہیں آباد نہیں کر سکے تھے ۔ امام ابو عبیدہ نے اپنی مشہور کتاب 'کتاب الاموال' میں اس کی تفصیلات پیش کی ہیں ۔

مفتوحہ ممالک کی اراضی

شرعی اصطلاح میں ان اراضی کو خراجی کہا جاتا ہے اور یہ ان ملکوں کی اراضی ہے جسے مسلمانوں نے بزورِ شمشیر فتح کیا اور جیسا کہ حافظ نے کہا ہے تمام اسلامی ممالک بزورِ شمشیر فتح کئے گئے ۔ تمام عرب ممالک جبرالٹر سے لے کر یمن تک سوائے چند ایک علاقوں کے کہ جن کے باشندوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی تھی ۔ اسی ذیل میں آتے ہیں ۔ پس شام ، عراق ، مصر ، لیبیا ، تیونس ، الجزائر ، مراکش ، نیاوند ، اہواز ، ایران ، کرمان ، اصفحان ، برصغیر ہند و پاکستان کی تمام اراضی خراجی ہیں ۔ اسلامی قانون کے مطابق یہ اراضی نہ تو فروخت کی جا سکتی ہیں اور نہ ہی خریدی جا سکتی ہیں ۔ یہ وراثت میں بھی تقسیم نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی انہیں رہن رکھا جا سکتا ہے اور یہ قیامت تک تمام مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہیں ۔ وہ اس کی ملکیت میں برابر کے حصہ دار ہیں ، ان میں سے کسی کو دوسرے پر فوقیت نہیں دی جا سکتی ۔ جب تک یہ اراضی مسلمانوں کے قبضے میں رہیں اسی اسلامی حکم کے مطابق ان پر عمل ہوتا رہا اور اگر دشمن نے ان میں سے بعض اراضی پر قبضہ کر لیا تو مسلمانوں نے دشمن سے واپس لے کر دوبارہ اس کی اصل شرعی حیثیت بحال کر لی ۔ یہ ہمیشہ مسلمانوں کی ملکیت رہیں گے اور اس کی ملکیت کے تمام دعوے جھوٹے تصور ہوں گے ۔ اور مسلمان اور غیر مسلم جن سے اسلامی حکومت کے معاہدے ہوئے ہیں وہ ان اراضی میں کاشت کر سکتے ہیں اور اس کے پیداوار اسلامی حکومت اور کاشتکار کے درمیان مشترکہ تصور ہو گی اور کاشتکار کو اس پیداوار کا مقررہ حصہ اسلامی بیت المال میں جمع کرانا ہو گا ۔ اس آمدنی کو اسلامی حکومت

Marfat.com

مسلمانوں کے اجتماعی مفاد اور ملک کی دفاعی ضروریات پر خرچ کریگی ۔ یہ فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں کیا گیا صحابہ کرام نے اسی کے مطابق متفقہ فیصلہ دیا جو اجماع امت کی حیثیت رکھتا ہے اور خلفائے راشدین نے اس فیصلے کے مطابق ان مفتوحہ اراضی کا انتظام کیا ۔ صحابہ کے بعد تابعین اور تمام فقہائے امت نے اسی کے مطابق فتوے جاری کئے ۔

مفتوحہ اراضی کے بارے میں صحابہ کی مجلس شوری

جب عراق فتح ہوا اور اسلامی لشکر مدینہ منورہ واپس آگیا تو حضرت عمر نے صحابہ کرام کی مجلس شوری بلائی اور اس میں شمولیت کے لیے تمام مہاجرین اور انصار کو دعوت دی گئی ۔ آپ نے مفتوحہ اراضی کی تقسیم کے بارے میں ان سے مشورہ کیا ۔ جب سب صحابہ کرام جمع ہو گئے تو حضرت عمر ان کے سامنے تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت میں نے آپ کو اس لئے تکلیف دی ہے کہ جو امانت میرے سپرد ہوئی ہے ۔ اس کے پورا کرنے میں میری مدد کرو ۔ میں بھی تم میں سے ایک فرد ہوں ۔ تم میری رائے کی مخالفت بھی کر سکتے ہو اور موافقت بھی اور میں نہیں چاہتا کہ تم اس بارے میں میری خواہشات کا احترام کرو ۔ تمہارے پاس اللہ تعالی کی کتاب قرآن مجید موجود ہے جو صحیفہ حق ہے اللہ کی قسم اگر مین کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہوں تو وہ اس کتاب حق سے باہر نہیں ہو گا ۔ جب حضرت عمر نے اپنی بات ختم کی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت بلال اور کچھ دوسرے صحابہ بولے کہ عراق کی اراضی کو ان مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے جنہوں نے اس ملک کو فتح کیا ہے اور اس بارے میں ارشاد ربانی بھی یہ ہے کہ جو مال تم لڑائی میں بطور غنیمت حاصل کرو اس میں اللہ اس کی رسول رشتہ داروں یتامی اور مساکین کا پانچواں حصہ ہے ۔

اسی دوران مصر سے حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمر کو ایک خط بھیجا ۔ جس میں کہا گیا تھا کہ حضرت زبیر بن العوام مصر کی مفتوحہ اراضی کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں ۔ لیکن ان مطالبوں کے برعکس حضرت عمر نے یہ رائے دی کہ تمام مفتوحہ اراضی کو تقسیم کرنے کی بجائے اسلامی بیت المال کی تحویل میں دے دیا جائے جو تمام مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت تصور ہو گی ۔ آپ کی اس رائے سے اجل صحابہ نے اتفاق کیا جن میں حضرت معاذ بن جبل حضرت علی حضرت عثمان حضرت طلحہ اور حضرت عبدالرحمن بن عمر اور سرکردہ انصار شامل تھے ۔ تاہم دوسرے صحابہ نے اس سے اختلاف

Marfat.com

کیا اور وہ اس امر پر مصر رہے کہ مفتوحہ اراضی مسلمان فاتحوں میں تقسیم کر دی جائے ۔

لیکن حضرت عمر کی دلیل زیادہ وزنی تھی ۔ اب اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے مستقل فوج کی ضرورت تھی ۔ شام کوفہ جیسے شہروں میں فوجی چھاونیوں کا قیام ازحد ضروری ہو گیا تھا ۔ تو اگر وہاں کی مفتوحہ اراضی کو تقسیم کر دیا گیا تو یہ مختلف لوگوں کے حصوں میں بٹ جائے گی ۔ پھر ان کی ہلاکت کے بعد یہ کسی ایک آدمی کے پاس جمع ہو سکتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہوں جو اسلام سے روکاوٹ کا سبب بن جائیں ۔ اور پھر ان کے مقابلے کے لئے مسلمانوں کے پاس کوئی مال نہ ہو ۔ اس سلسلے میں حضرت معاذ نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا :۔

کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم

(ترجمہ) تاکہ دولت تم میں سے امیر آدمیوں کے پاس جمع نہ ہو جائے

لیکن حضرت بلال اور ان کے ساتھی اس دلیل سے متاثر نہ ہوئے حضرت عمر نے خوشی سے چیخ کر فرمایا کہ اب مجھے قرآن مجید سے اس بارے میں رہنمائی مل گئی ہے ارشاد ربانی ہے :۔

ما افا اللہ علی رسولہ من اہل القری فللہ وللرسول والذی القربی والیتامی و ابن السبیل

(ترجمہ) جو علاقہ اللہ تعالٰی نے رسول اللہ صلعم کے ذریعے فتح کرایا تو وہ اللہ تعالی کے لیے ہے اس کے رسول کے لیے ہے رشتہ داروں کے لیے ہے یتامی کے لیے ہے اور مسافروں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ہے ۔

پھر فرمایا:۔

للفقراء المھاجرین الذین اخرجو امن دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا

(ترجمہ) اور یہ مال ان غریب مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیئے گئے ۔ انہوں نے یہ تکالیف اللہ تعالٰی کا فضل اور اس کی رضا چاہنے کے لئے برداشت کیں ۔

یہی نہیں بلکہ اللہ تعالی نے ان میں کچھ مزید لوگوں کو شریک کیا ۔ اور ارشاد ہوا :۔

Marfat.com

والذین تبووا الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ۔

(ترجمہ) ان میں وہ انصار بھی شامل ہیں ۔ جو پہلے ایمان لا چکے تھے ۔ انہوں نے ہجرت کرنے والوں کو خوش امدید کہا اور انہیں ٹھکانے مہیا کئے ۔

یہ آیت خاص انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور پھر ان میں کچھ اور لوگوں کو بھی شامل کیا گیا جن کے باے میں یہ فرمایا گیا :۔

والذین جاؤ امن بعد ھم لیقولون ربنا اغفرلنا و لاخواتنا الذین سبقونا بالایمان

(ترجمہ) وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں کہ اے رب ہمارے قصور بھی معاف کر دیجئے اور ہمارے ان بھائیوں کے بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے تھے ۔

حضرت عمر نے فرمایا کہ اس آیت میں مفتوحہ اراضی میں سے ان مسلمانوں کا حصہ مقرر کیا گیا ہے جو بعد میں قیامت تک آنے والے ہیں آپ کے ان دلائل کے بعد تمام صحابہ نے ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے زمین کی تقسیم کا مطالبہ ترک کر دیا اور ان اراضی کو خراجی بنانے پر اتفاق کر لیا ۔ جیسا کہ قاضی ابوبکر جصاص نے بیان کیا ہے ۔

مفتوحہ اراضی کے باے میں ارشادات نبوی

امام ابن قیم نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خیبر کے نصف علاقے کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا تھا اور نصف حصے کو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے لیے بیت المال کی ملکیت میں رہنے دیا ۔ اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ سے ایک روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک دفعہ فرمایا کہ عراق کی دولت اور غلہ روک لیا گیا ، شام کا غلہ اور دولت روک لی گئی اور مصر کا غلہ اور دولت روک لی گئی اور تم وہاں لوٹ گئے جہاں سے چلے تھے اور تم وہاں لوٹ گئے جہاں سے چلے تھے اور تم وہاں لوٹ گئے جہاں سے چلے تھے ۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ وہ حدیث کی سچائی ثابت کرنے کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہیں ۔ حضرت ابوہریرہ اور دوسرے صحابہ نے ان مفتوحہ ممالک مین خراج عائد کرنے کے سلسلے میں اس حدیث نبوی سے استدلال کیا ۔ ہاں اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مفتوحہ اراضی کاشت کرنے والے صحابہ پر خود رسول اللہ صلعم نے خراج عائد کیا ہو ۔ تاہم یہ ثابت ہے کہ آپ نے مذکورہ بالا حدیث

Marfat.com

میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں کہ تم وہیں لوٹ گئے جہاں سے چلے تھے ، ان کے ذریعہ صحابہ کرام کو خراج ادا کرنے پر زور دیا تھا ۔ امام نودی نے صحیح مسلم کی شرح میں اس کے یہی معنی لئے ہیں اور اس کا مقابلہ اس حدیث سے کیا ہے کہ جس میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ اسلام کی ابتدا انوکھے طریقے سے ہوئی اور اس کی انتہاء بھی ایسی ہی ہو گی ۔ اور قاضی ابوبکر حصاص نے اس کی معنی یہ بیان کئے ہیں کہ ان اراضی کی آمدنی کو کچھ لوگ اپنے لیے روک کر زمانہ جاہلیت کے یاد تازہ کر دیں گے ۔

حضرت عمر کے بعد صحابہ کرام کا عمل

حضرت عمر کی وفات کے بعد حضرت عثمان اور حضرت علی دونوں نے آپ کے دور کی طرح مفتوحہ ممالک کی اراضی کو اسلامی حکومت کی ملکیت قرار دیا ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس مقصد کے لئے اسلامی احکامات پر مبنی ایک کتابچہ مرتب کرایا تھا جس میں مفتوحہ ممالک کی اراضی کے احکامات درج تھے ۔ اور القاضی الحنبلی نے کہا ہے کہ بعد میں بھی کسی مسلمان خلیفے نے مفتوحہ اراضی میں کوئی دستبردار نہ کی اور اسے سارے مسلمانوں کے نفع کے لئے بیت المال کی اراضی تسلیم کرتے ہوئے کاشتکاروں سے معاملہ کیا ۔

مفتوحہ اراضی کے بارے میں آئمہ مجتہدین کے فتاوی

جمہور فقہا اور آئمہ نے مفتوحہ اراضی کے بارے حضرت عمر کے فیصلے سے اتفاق کیا ۔ اور اس بارے میں انہوں نے قرآن مجید سے جو استدلال کیا تھا اس کی تحسین کی ۔ ان آئمہ مجتہدین میں حضرت حسن بصری ، امام عطاء بن سائب شریک بن عبداللہ ، النخعی ، امام سفیان ثوری ، عبداللہ بن مبارک ، حسن بن صالح ، یحییٰ بن آدم ، اسحاق بن راہویہ ، ابو عبیدہ قاسم بن سلام ، ابوبکر بن عباس ، احمد بن محمد بن مدبر شامل تھے تاہم بعض آئمہ نے اس بارے میں اختلاف کیا کہ کیا بعد میں فتح ہونے والی تمام اراضی حضرت عمر کے اس فیصلے کے مطابق اسلامی بیت المال کی ملکیت ہو گی ۔ یا مسلمان حکمران انہیں مجاہدین میں تقسیم کر سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلعم کے زمانے میں ہوا تھا ۔ اس بارے میں موافق اور مخالف دلائل دیئے گئے ۔ جن آئمہ نے مال غنیمت اور مفتوحہ اراضی کو ایک ہی چیز سمجھا ان کے نزدیک بعد کے مسلمان حکمرانوں کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ کسی وقت مناسب سمجھیں تو جس طرح مال غنیمت مجاہدین میں

Marfat.com

تقسیم کیا جاتا ہے وہ مفتوحہ اراضی کو بھی ان میں تقسیم کر دیں ۔ لیکن صحابہ کرام اور اکثر فقہاء ان دونوں چیزوں کو ایک نہیں سمجھتے تھے ۔ اس لئے ان کے نزدیک اب کسی مسلمان حکمران کو یہ اختیار حاصل نہیں رہا اور تمام مفتوحہ اراضی مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت تصور ہو گی ۔ تمام حنفی فقہاء اور مالکی فقہاء و غیرہم کا یہ متفقہ فتوی ہے ۔ (خیال رہے کہ ہمارے ملک میں حنفی فقہ کی پیروی کی جاتی ہے ۔ اور اس شرعی حکم کے مطابق یہاں کی تمام اراضی اسلامی مملکت پاکستان کی ملکیت ہیں کوئی فرد ان اراضی کو ذاتی ملکیت میں نہیں لا سکتا)

مفتوحہ اراضی کے بارے میں ائمہ اربعہ کا فتوی

اہل سنت کے چار فقہی مذاہب میں سے تین فقہی مذاہب کے بانیوں اور ان کے تمام شاگردوں کا یہ متفقہ فتوی ہے ۔ کہ مفتوحہ ممالک کی اراضی جو شرعی اصطلاح میں خراجی کہلاتی ہے کوئی فرد اس کا مالک نہیں ہو سکتا ، یہ مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہے ۔ اس لئے نہ تو اس کی خرید و فروخت جائز ہے اور نہ ہی یہ وراثت میں تقسیم ہو سکتی ہے ۔ اور اس کا خراج حکومت وصول کرے گی وہ اس کی پیداوار کا ایک حصہ ہو گا اور کاشتکار وہ حصہ بیت المال میں جمع کروانے کا ذمہ دار ہو گا ۔ ان کاشتکاروں کو ان اراضی کا مالک نہیں سمجھا جائے گا اور مفتوحہ ممالک کے مکانات اور گھروں کا شرعی حکم خراجی اراضی کے شرعی حکم کے مطابق ہو گا اور جو کوئی انہین فروخت کرے گا اسے ظالمانہ فعل سمجھا جائے گا ۔ اور اگر دشمن ان اراضی اور مکانات پر قابض ہو گئے اور پھر مسلمانوں نے انہیں دشمن سے آزاد کرا لیا تو ان کا پہلا شرعی حکم ان پر دوبارہ نافذ ہو جائے گا ۔

دوسرے فقہی مذاہب کے مقابلے میں امام مالک اور ان کے شاگردوں کا مذہب ایسا واضح ہے کہ اس مین معمولی سے اختلاف کی گنجائش بھی نہیں ۔ اس بارے مین ان کا فتوی وہی ہے جو حضرت عمر کا فیصلہ تھا ۔ کہ دشمن کا ملک فتح ہوتے ہی اس کی اراضی خراجی بن جاتی ہے ۔ جو کسی بھی صورت میں مجاہدین میں تقسیم نہیں ہو سکتی اس سے جو خراج صول ہو گا ۔ اسے مسلمانوں کی بھلائی ، فوجیوں کی تنخواہ ، پلوں اور مساجد کی تعمیر اور دوسرے بھلائی کے کاموں پر خرچ کیا جائے گا ۔ ان کے فتوی کے مطابق فتح کے فوراً بعد یہ زمین خراجی ہو جائے گی اور مسلمان حکمران کو اس میں تبدیلی کرنے کا کوئی اختیار نہیں اور نہ ہی وہ کسی کی ملکیت میں آ سکتی ہے ۔

Marfat.com

اس بارے میں ابن العربی المالکی ، جنہوں نے مالکی فقہ کی روشنی میں قرآن مجید کی تفسیر القرآن لکھی ہے فرماتے ہین کہ دراصل جب اللہ تعالی نے زمین کو پیدا کیا تو اسے مومنوں کے لیے ہی پیدا کیا اور یہ جو کافروں کے قبضے میں چلی گئی تو یہ مومنوں پر اللہ تعالی کا عذاب تھا ۔ پھر اللہ تعالی نے ان پر رحمت فرمائی اور یہ اراضی ان کی طرف لوٹائی ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا کے تمام اموال مسلمانوں کے لیے ہیں تو جب مسلمانوں کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالی انہیں ان کی نافرمانی کی سزا دینے کے لیے ان اموال پر کافروں کو مسلط کر دیتے ہیں اور جب اللہ تعالی مومنوں پر رحم کرتے ہیں، تو ان کے یہ اموال انہیں لوٹا دیتے ہیں تو پھر ان کی پہلی شرعی حیثیت لوٹ آتی ہے ۔ علامہ ابن العربی مال غنیمت اورمفتوحہ اراضی میں فرق کرتے ہیں ، کیونکہ مال غنیمت منقولہ مال ہوتا ہے ۔ جبکہ مفتوحہ اراضی غیر منقولہ مال ہوتا ہے اور اس بارے میں قرآن حکیم کے احکامات بڑے واضح ہیں کیونکہ اللہ تعالی نے اس اراضی کو تین قسم کے لوگوں کے لئے مخصوص فرمایا ایک مہاجرین دوسرے انصار اور تیسرے وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے ۔ اور انہیں کسی خاص گروہ کے لیے مخصوص نہیں کیا ۔ ابن العربی کے بعد ان کے فقہی مذہب کے ایک دوسرے مفسر امام قرطبی نے بھی ایسی ہی رائے کا اظہار کیا ہے ۔ مالکی فقہ کے ایک اور امام ابن المجاصی نے تو یہ فتوی دیا تھا کہ جس نے مفتوحہ اراضی کا خراج ادا کئے بغیر اس سے حاصل ہونے والی پیداوار کو اپنے لئے استعمال کیا تو اس نے مسلمانوں کا حق غصب کیا اور حرام کھایا ۔ چنانچہ انہوں نے تیونس ، الجزائر اور مراکش کی اراضی کہ جنہیں اس دور میں المغرب کہا جاتا تھا کہ کے بارے میں یہ فتوی دیا تھا کہ جنہوں نےان اراضی کا خراج اسلامی خزانے میں جمع نہ کرایا تو یوں سمجھے کہ اس نے حرام کھایا ۔

اس بارے میں امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسلامی قانون کے مطابق مسلمان حکمران مفتوحہ اراضی کو مسلمانوں میں تقسیم بھی کر سکتے ہیں اور انہیں بیت المال کی ملکیت بنا کر اور ان پر خراج عائد کر کے انہیں مسلمانوں کی بھلائی کے لیے وقف بھی کر سکتے ہیں ۔ تاہم ان کے چار شاگردوں میں سے تین جن کا حنفی فقہ مین مرتبہ بہت بلند ہے کا فتوی یہ ہے کہ مسلمان حکمران کو اب یہ اختیار نہیں رہا اور تمام مفتوحہ اراضی اسلامی بیت المال کی ملکیت ہو گی ۔ اس بارے میں انہوں نے حضرت عمر کے فیصلے کو قطعی قرار دیا اور اس بارے میں انہوں نےقرآن مجید سے جو استدلال کیا تھا اسے صحیح تسلیم

کیا ۔ ان کے نزدیک مال غنیمت اور مفتوحہ اراضی کے درمیان فرق ہے ۔ اور اسلامی حکمران کو صرف مال غنیمت تقسیم کرنے کا حق ہے نہ کہ مفتوحہ اراضی کا ۔ امام ابو یوسف کا قول ہے کہ حضرت عمر نے قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں ہی تو مفتوحہ اراضی کو اسلامی بیت المال کی ملکیت قرار دے کر اس پر خراج عائد کیا تھا اور خراج کی اس رقم کو مسلمانوں کی بھلائی کے کاموں پر خرچ کیا تھا ۔ لیکن اگر ان اراضی کو مجاہدوں مین تقسیم کر دیا جاتا تو پھر نہ تو اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت ہو سکتی تھی اور نہ ہی دشمن کے خلاف جہاد کے لیے لشکر تیار کئے جا سکتے تھے اس صورت میں کافروں کو اپنے کھوئے ہوئے ملکوں کا دوبارہ حاصل کر لینا مشکل نہ رہتا ۔ کیونکہ سرحدوں کی حفاظت کے لیے مسلمان فوج کا وجود ہی نہ ہوتا ۔ چنانچہ حنفی فقہ کے مفسر قرآن قاضی ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ آیت غنیمت مین جس مال غنیمت کا ذکر ہے وہ منقولہ اموال سے متعلق ہے ، غیر منقولہ اموال یعنی اراضی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ان ممالک کے اعلٰی اور دولت کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ جو حدیث سابقہ صفحات میں نقل کی جا چکی ہے وہ بھی حضرت عمر کے فیصلے کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہے ۔ اور جو کچھ انہوں نے فیصلہ دیا ہے وہ اسلامی قانون ہے اور تمام مسلمانوں کے لئے اس قانون پر عمل کرنا فرض ہے ۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ خبر دی گئی ہے کہ کیا چیز مسلمانوں کو اللہ تعالی کا حق ادا کرنے سے روکے گی ۔ اور اس اسلامی قانون کی نص قطعی یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام نے اس پر اتفاق کیا تھا ۔

امام طحاوی حدیث ابو ہریرہ کی تشریح کرتے ہوے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو منعت (منع کئے گئے ہیں) کے الفاظ ہیں تو ان سے مراد مستقبل کا صیغہ ہے یعنی منع کریں گے ۔ اس میں اس امر پر دلالت ہے کہ یہ زمین مسلمان مجاہدوں کے لیے نہیں ہو گی ۔ کیونکہ اگر یہ اراضی ان میں تقسیم کر دی گئی تو پھر بعد میں آنے والے مجاہدوں کے لیے کچھ بھی نہیں بچے گا ۔

مختصر یہ کہ حنفی فقہ کے دو آئمہ یعنی امام جصاص اور طحاوی اور مالکی مذہب کے دو آئمہ یعنی امام ابن العربی اور امام قرطبی کے نزدیک اموال غنیمت کا اطلاق صرف منقولہ مال پر ہوتا ہے اور اس کا اطلاق مفتوحہ اراضی پر نہیں ہو سکتا اس لئے ان کے نزدیک حضرت عمر کا فیصلہ اسلامی قانون کی حیثیت رکھتا ہے ۔ جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور اس کی وضاحت خود حضرت عمر نے کر دی تھی ۔ جب حضرت بلال کے اعتراض

Marfat.com

کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ مال غنیمت سے مراد منقولہ اموال ہیں ، اس کا اطلاق مفتوحہ اراضی پر نہیں ہو سکتا ۔

اس بارے میں امام احمد کے شاگردوں نے ان سے دونوں اقوال نقل کئے ہیں ایک تو وہی کہ ان کا مسلک امام مالک کے مذہب کی طرح واضح تھا کہ اسلامی قانون کے مطابق تمام مفتوحہ اراضی خراجی ہیں اور ان مین اسلامی حکمران بھی کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا بعض دوسری روایات کے مطابق ان کا مسلک ، امام ابو حنیفہ کے مطابق تھا ۔ کہ کسی علاقے کے فتح کے وقت مسلمان حکمران اگر چاہے تو مسلمان مجاہدین میں اراضی کو تقسیم کر سکتا ہے ۔

حنبلی مذہب کے ایک امام ابن رجب نے بیان کیا ہے ۔ کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ، مفتوحہ اراضی کی تقسیم جائز نہیں ہے ۔ بلکہ کسی ملک پر مسلمانوں کے قبضے کے بعد وہ اراضی فوری طور پر خراجی قرار پاتی ہے ۔ اسی طرح ایک دوسرے حنبلی امام ابو یعلی نے بھی روایت کیا ہے کہ جس ملک کو مسلمان فتح کریں وہ فوری طور پر مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت بن جاتا ہے ۔ تاہم امام ابن قیم نے ان سے دونوں قول نقل کئے ہیں ۔ ایک قول کے مطابق امام ابن حنبل کا ظاہر مذہب یہ تھا کہ مسلمان حکمران کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو مفتوحہ اراضی کو وہ مجاہدوں میں تقسیم کر دے اور چاہے مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے لیے انہیں وقف کر کے ، اسلامی بیت المال کی ملکیت بنا دے ۔ اور دوسری روایت کے مطابق دشمن کے علاقے پر قبضے کے بعد ، وہاں کی اراضی فوری طور پر خراجی قرار پاتی ہے ۔ ان دو اقوال میں سے امام ابن قیم اور اس فقہ کے ایک دوسرے امام ابو بکر بن عبد العزیز حنبلی نے امام صاحب کے اس دوسرے قول کو ترجیح دی ہے کہ مسلمانوں کے قبضے کے ساتھ ہی وہاں کی اراضی خراجی قرار پاتی ہیں ۔

اس بارے میں امام شافعی کا مسلک ہے کہ مسلمان حکمران کو مفتوحہ اراضی مجاہدوں میں تقسیم کرنی چاہیے ہاں اگر مجاہد اور دوسرے مسلمان اسے مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار دینے پر اتفاق کر لیں تو پھر وہ اراضی خراجی قرار پائے گی ۔ اور اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ حضرت عمر نے جس مفتوحہ اراضی کو بیت المال کی ملکیت قرار دیا تھا تو اس کے لیے مجاہدین سے اجازت لی گئی تھی ۔ لیکن جہاں تک حضرت عمر کا مجاہدین

Marfat.com

سے اجازت لینے کا سوال ہے ۔ تو علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے ۔ کیونکہ ان میں سے بعض نے تو آپ سے جھگڑا کیا تھا اور زمین کو تقسیم کرنے پر اصرار کیا تھا لیکن حضرت عمر نے ان کے مطالبے کو ماننے سے انکار کر دیا تھا ۔ ابن العساکر شافعی نے تو یہاں تک روایت بیان کی ہے کہ حضرت بلال نے تو اس مقصد کے لیے ہتھیار اٹھانے کی بھی دھمکی دی تھی ۔ ان کا یہ رد عمل اجازت قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ ابن رجب نے امام شافعی کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے ہوئے لکھا ہے کہ دوسرے قول سے ان کے اس مسلک کی تائید نہیں ہو سکتی ۔

خراجی اراضی کی خرید و فروخت جائز نہیں

مفتوحہ اراضی جو شرعی اصطلاح میں خراجی اراضی کہلاتی ہیں ۔ وہ تمام مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہیں۔ انہیں نہ تو بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہی خریدا جا سکتا ہے اور نہ ہی یہ وراثت میں تقسیم ہو سکتی ہیں اور ان کے بارے میں ایسے ہی احکام امیر المومنین عمر بن الخطاب ، امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز، امیرالمومنین یزید بن عبدالملک اور امیر المومنین ہشام بن عبدالمالک نے جاری کئے اور جب کبھی کسی نے ان احکام کی خلاف ورزی کی تو نہ صرف یہ کہ ان سے ایسی اراضی چھین لی گئی بلکہ انہیں سخت سزا بھی دی گئی ۔ یہ سزا کبھی تو انہیں جرمانہ کی صورت میں دی جاتی تھی اور کبھی سرے عام کوڑے لگا کر ، ایسے لوگوں کو غاصب سمجھا جاتا تھا خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق اور امام ابو عبیدہ کے کتاب الاموال میں ایسے کئی واقعات بیان کئے ہیں اور اسی کے مطابق خلفاء راشدین اور بعد کے مسلمان خلفاء اور مسلمان فقہاء نے فیصلے کئے ۔ جب حضرت عمر نے اس بارے میں واضح کر دیا تھا ۔ کہ خراجی زمین کی خرید و فروخت جائز نہیں تو صحابہ کرام نے اسی کے مطابق فیصلے کئے ۔ ائمہ مجتہدین میں سے عبداللہ بن معقل بن مقرن ، شریک بن عبداللہ الحنفی ، حسن بن صالح ، امام مجاہد ، امام مالک اور امام احمد نے ان کی روشنی میں فتوے جاری کئے ۔

خراجی زمین پر قابض لوگ بھی اس کے مالک نہیں

جو کاشتکار خراجی زمینوں پر کاشت کرتے ہیں اور اس کا ایک حصہ حکومت کے خزانے میں بطور خراج جمع کراتے ہیں ۔ وہ بھی ان اراضی کے مالک نہیں ۔ امت مسلمہ کے بہت سے فقہی ائمہ نے اس کی وضاحت کی ہے ۔ ان وضاحت کرنے والے ائمہ میں امام

Marfat.com

عنبری ، امام ابن شبرمۃ، امام اسحاق بن راہویہ امام قاسم بن سلام ، امام مالک ، امام شافعی اور امام احمد شامل ہیں ۔۔ (خیال رہے کہ یہ سب ائمہ مختلف فقہی مذاہب کے بانی تھے ۔ لیکن بعد میں ان میں سے اکثر سیاسی مدد نہ ہونے کی وجہ سے مردہ ہوگئے اور صرف آٹھ فقہی مذاہب باقی رہ گئے جن میں سے اہل سنت کے چار فقہی مذاہب ہیں (ان چار میں سے شیخ الکتانی نے صرف تین کا نام لیا ہے حالانکہ چوتھے یعنی حنفی فقہ کا بھی اس بارے میں یہی فیصلہ ہے) ۔

مفتوحہ اراضی پر دشمن کا قبضہ

اگر مفتوحہ اراضی پر دشمن کا قبضہ کرلے اور پھر دشمن کو وہاں سے نکال دیا جائے تو اس زمین کی پہلی شرعی حیثیت بحال ہو جاتی ہے یعنی وہ مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت قرار پاتی ہے ، اس بارے میں امام ابو حنیفہ کا فتوی یہ ہے کہ ایک دفعہ مفتوحہ اراضی کو مسلمانوں کے فائدے کیلئے وقف کر دیا جائے تو وہ علاقہ دارالسلام بن جاتا ہے چاہے اس میں مسلمان سکونت رکھیں یا دوبارہ کفار اس پر قبضہ کرلیں ۔ اس کی اسلامی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ ابن رجب نے بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ یہ کسی صورت میں کسی فرد کی ملکیت نہیں بن سکتی اور نہ ہی مسلمان حکمران اس اراضی میں سے کسی کو جاگیر کے طور پر عطا کرسکتے ہیں ۔ ایسا کرنے والا اسلام کے نزدیک غاصب تصور ہوگا ۔ ابو یعلی الفراء لکھتے ہیں ۔ کہ امام احمد نے بغداد کی ایسی زمینوں کو کہ جن کی خرید و فروخت کی گئی ۔ انہیں کسی کی جاگیر میں دیا گیا تو انہیں غاصبانہ قبضے کا مجرم قرار دیا ۔

مفتوحہ اراضی پر خراج

مفتوحہ اراضی پر تین طرح سے خراج عائد کیا جاتا تھا ۔

۱ ۔ زمین کی پیمائش
۲ ۔ فصل کی پیمائش کی بنیاد پر
۳ ۔ مقاسمہ یا بٹائی کی بنیاد پر۔

ان زمینوں پر چاہے مسلمان کاشتکاری کرتے یا غیر مسلم اور وہ ان اراضی کی پیداوار مذکورہ بالا تین طریقوں میں سے کسی طریقے سے بیت المال میں جمع کراتے تو

Marfat.com

اسے خراج کہا جاتا تھا ۔ دراصل یہ زمین کی بٹائی تھی ۔ جیسا کہ امام شریک نے وضاحت کی ۔ اور یہ ہمیشہ کے لئے ان خراجی اراضی سے وصول کی جاتی تھی ۔ یہی مالکی شافعی اور حنبلی فقہ کے تمام فقہاء کا متفقہ فتوی ہے اور یہی امام قاسم بن سلام اور دوسرے بہت سے فقہاء کا قول ہے ۔

مفتوحہ اراضی پر مکانات

مفتوحہ اراضی اور مفتوحہ اراضی پر تعمیر ہونے والے مکانات کی شرعی حیثیت ایک ہی ہے ۔ اور وہ یہ کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں ۔ اور نہ ہی ان کی خرید و فروخت جائز ہے ۔ اور ان پر خراج ہے اور مفتوحہ اراضی کے تمام احکامات کا ان پر اطلاق ہوتا ہے مجتہدین سلف کا یہی فتوی ہے اور متاخرین میں سے امام یحیٰی بن. آدم ، امام فضیل بن عیاض ، امام بشر بن الحارث ، امام احمد بن حنبل اور تمام شافعی فقہا کا یہی مسلک ہے اور ابن رجب نے بیان کیا ہے کہ مفتوحہ اراضی پر مکانات وقف کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا حکم مزارعت اور مکہ شریف کے مکانوں جیسا ہے (شیخ الکتانی مزارعت اور مکہ شریف کے مکانوں کے کرائے کو بھی حرام قرار دیتے تھے ۔)

اگرچہ مفتوحہ اراضی تمام مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہے لیکن غیر مسلم بھی اس کی پیداوار میں شریک ہیں اور زمین کی یہ مشترکہ ملکیت کوئی نئی چیز نہیں بلکہ خود دور رسالت میں اس کی کئی نظیریں موجود ہیں مثلاً رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کانیں ، چراگاہیں ، جنگل ، دریا ، آگ اور ایندھن چاہے وہ پٹرول ہو یا گیس مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہیں اور ائمہ مجتہدین نے بھی اسی کے مطابق اپنے فتاوی جاری کئے ۔ اور اس موضوع پر بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں ۔ اس کی تائید میں اور بھی بہت سی دلیلیں ہیں ۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے کہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں آپ ان سے کہہ دیجئے ک جو کچھ ان کی ضروریات سے بچ جائے ، وہ اس سے دوسرے مسلمان بھائیوں کی ضروریات کو پورا کریں۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ اس آیت میں جو 'العفو' کا لفظ استعمال ہوا ہے ، تو اس سے مراد زیادہ مال ہے اور اس موضوع پر متعدد احادیث ہیں ۔

Marfat.com

مفتوحہ اراضی اسلامی مملکت کی ملکیت ہیں ۔

جبل الطارق سے لے کر صنعاء یمن تک جو عرب ممالک ہیں ، ان تمام کی اراضی تمام مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہے اور اسلامی حکومت انہیں مسلمانوں کے بہبود کے لئے خرچ کرنے کی پابند ہے ۔ ان میں سے چند علاقوں کو مستثنیٰ بھی قرار دیا گیا تھا ۔ اس کے علاوہ دوسرے تمام اسلامی ممالک کی اراضی کی شرعی حیثیت بھی یہی ہے کہ وہ اسلامی ریاست کی ملکیت ہیں جو وہ مسلمانوں کے مشورے سے مسلمانوں کی بھلائی کے لئے خرچ کرنے کی پابند ہے ۔ یہ وہ مسئلہ ہے کہ جس پر صحابہ کرام ، خلفائے راشدین علمائے سلف اور تمام مسلمان مجتہدین کا کامل اتفاق ہے ۔

بعض فقہاء کے درمیان اس بارے میں اگر کوئی اختلاف ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ حضرت عمر کا اس بارے میں فیصلہ اسلامی قانون کی حیثیت رکھتا ہے ۔ جس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ۔ یا حضرت عمر نے یہ فیصلہ مسلمان مجاہدین کی رضا مندی سے کیا تھا یا انہوں نے ان کی رضا مندی کا خیال نہیں کیا تھا ۔ پھر اس اراضی کے بارے میں اختلاف ہوا کہ جو مسلمانوں نے حضرت عمر کے بعد فتح کی ۔ کہ آیا وہ مجاہدین میں تقسیم ہو سکتی ہے ۔ یا وہ اسلامی بیت المال کی ملکیت ہی تصور ہو گی ۔ یا انہیں ایسے لوگوں میں بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے کہ جو عملاً اس کی فتح میں شریک نہیں تھے ۔ اس کی تو کسی فقہہ نے تائید نہیں کی ۔ لیکن دوسرے معاملات میں ان کے درمیان جو اختلاف رہا ہے اس کی تفصیلات سطور بالا میں پیش کی جا چکی ہیں ۔

مفتوحہ اراضی کی آمدنی

اسلامی حکومت کی مختلف محکموں اور فوج کے اخراجات پورے کرنے کے لیے مفتوحہ اراضی کے خراج سے حاصل ہونے والی آمدنی اسلامی حکومت کا سب سے بڑا ذریعہ آمدن رہا ہے ۔ اس میں کانوں ، جنگلات اور دریاوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کو بھی شامل کیا جاتا تھا ۔ زکوۃ کو عدل احتماعی پر خرچ کیا جاتا تھا اس طرح زکوۃ خراج اور خمس کی آمدنی سے انسانوں کے درمیان عدل الہی کی تکمیل ہوتی تھی ۔ اور یہ سب اس احکام الہی کی تعمیل میں تھا کہ دولت صرف چند امیر لوگوں کے ہاتھ میں جمع ہو کر نہ رہ جائے ۔

Marfat.com

کرایہ زمین کی شرعی حیثیت

زمین چاہے انفرادی ملکیت ہو یا اجتماعی ۔ سونے یا چاندی کی صورت میں اس کا کرایہ جائز نہیں اور نہ ہی کسی دوسرے مال و متاع کے عوض اسے کرایہ پر دیا جا سکتا ہے اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ جس کے پاس یہ زمین ہو وہ کاشت کرے ۔ اور اگر خود کاشت نہیں کر سکتا تو اپنے بھائی کو مفت عنائت کر دے تاکہ وہ اس میں کاشت کر سکے ۔ یا پھر بغیر کاشت کے اسے رہنے دے کہ وہ چراگاہ کی صورت اختیار کر لے کہ جس کی پیداوار میں سب شریک ہوں ۔ یہ شریعت اسلامی کا حکم ہے جو اس نے لوگوں کے معاش کو سامنے رکھتے ہوئے دیا ہے ۔ تاکہ وہ محنت کریں اور آسان طریقے سے رزق حلال حاصل کر سکیں ۔ زمین کے کرائے کی صورت میں اگر فصل آگ ، قحط ، سیلاب یا کسی دوسری آفت کی وجہ سے تباہ ہو جائے تو کرایہ پر لینے والا بغیر کوئی نفع حاصل کئے خسارے میں پڑ جائے گا ۔ اس لئے رسول اللہ صلعم نے وہ قابل احترام احکامات جاری کئے کہ لوگ کام کریں اسی کی روشنی میں خلفائے راشدین نے انتظام کیا ۔ جن کی پیروی تمام صحابہ کرام نے کی ۔ اس کی تائید میں انہوں نے فتوے بھی جاری کئے اور فیصلے بھی کئے ۔ پھر ان کے بعد تابعین اور ائمہ مجتہدین نے بھی اس کے مطابق فیصلے کئے ۔

کرایہ زمین کے بارے میں ارشادات نبوی

زمین کے کرائے کے حرام ہونے کے بارے میں آٹھ اہل علم صحابہ کرام سے روایات منقول ہیں ۔ ائمہ حدیث کے نزدیک ان تمام احادیث کی سندیں یعنی راوی معتبر ہیں ۔ اور ان کے متن تواتر کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ کہ جن سے علم یقین حاصل ہوتا ہے ۔ ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں ان احادیث کے صحیح ہونے کی تصدیق کی ہے ۔ ان صحابہ میں حضرت رافع بن خدیج ، حضرت ظہیر بن رافع ، حضرت جابر بن عبداللہ ، حضرت ابو ہریرہ ، حضرت ابو سعید خدری ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس شامل ہیں ۔ یہاں ہم مثال کے لئے ایک حدیث کافی سمجھتے ہیں جو حضرت ظہیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے پوچھا کہ تم اپنے کھیتوں کا معاملہ کس طرح کرتے ہو ۔ تو میں نے جواب دیا کہ ہم اسے بٹائی پر دے دیتے ہیں ۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو ، یا تو خود کاشت کرو ، یا کسی دوسرے کو کاشت کے لیے دے دو ، یا اسے روک رکھو ۔

Marfat.com

زمین کی بٹائی کے بارے میں حضور صلعم کا عمل

جب مسلمانوں نے خیبر کا علاقہ فتح کیا تو رسول اللہ صلعم نے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا ۔ اس کا ایک حصہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا اور اس کا دوسرا حصہ مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے کے باقی رکھا اس کے لیے آپ نے یہود خیبر کے ساتھ کاشت کا معاہدہ کیا جو اس کا نصف حصہ اسلامی بیت المال میں جمع کراتے تھے ۔ (ہمارے ہاں کچھ اہل علم نے اس معاملے سے بٹائی کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن انہیں یہ خیال نہیں رہا کہ یہ کسی فرد کا معاملہ نیہں تھا ۔ بلکہ اسلامی حکومت کا تھا ۔ امام ابو حنیفہ اور دوسرے فقہاء اس معاملے کو خراج مقاسمہ کہتے تھے ۔ اور بعض کی تحقیق کے مطابق حضرت عمر نے آپؐ کے اس عمل کی روشنی میں مفتوحہ علاقوں کی اراضی کو خراجی قرار دیا تھا) خلفائے راشدین نے بھی سرکاری اراضی کو اسی اصول پر کاشت کرایا حضرت ابوبکر ، حضرت عمر ، حضرت عثمان اور حضرت علی نے پیداوار کے ایک حصے کے بدلے سرکاری اراضی کاشت کرائی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تو اپنے عمال کو لکھا کہ وہ سرکاری اراضی کو بغیر کاشت کے نہ رہنے دیں اور نصف کی بجائے اگر ایک تہائی سے پیداوار کے دسویں حصے تک بھی کاشت ہو سکے ، تو انہیں کاشت کرایا جائے ۔

اس موضوع پر صدر اسلام مین بڑے واقعات ملتے ہیں ، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلعم کے دور بابرکت میں حضرت معاذ بن جبل کو ایک علاقے کا والی بنایا گیا تو انہوں نے سرکاری اراضی ایک تہائی اور ایک چوتھائی پر کاشت کرائی ۔ اسی طرح ابن اثیر نے اپنی کتاب جامع الاموال میں نقل کیا ہے کہ مدینہ منورہ کے تمام مہاجر گھرانے ایسی اراضی کو ایک تہائی اور ایک چوتھائی پر کاشت کراتے تھے ۔ اور آل ابی بکر آل عثمان اور آل علی نے بھی ایسا کیا ۔ (خیال رہے کہ انہوں نے یہ معاملہ سرکاری اراضی کا کیا وگرنہ جہاں تک زمین کو بٹائی پر دینے کا تعلق تھا ۔ اس کے بارے میں پہلے بھی گزر چکا ہے اور آئندہ سطور میں بھی اس کی تفصیلات بیان ہوں گی وہ معاملہ حرام تھا)

کرایہ زمین (بٹائی) کے بارے میں ائمہ مجتہدین کا فتوٰی

اکثر ائمہ مجتہدین نے یہ فتاوٰی جاری کئے کہ زمین کو نہ تو سونے اور چاندی کے عوض کرایہ پر دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے مال و متاع کے عوض ۔ ان ائمہ

Marfat.com

مجتہدین میں حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر ، حضرت محمد بن سیرین ، امام طاؤس ، سعید بن المسیّب ، امام عبدالرحمن بن الی لیلی ، امام محمد بن شہاب الزہری ۔ امام علقمہ ، امام اسود ، امام عبدالرحمٰن بن یزید ، امام موسی بن طلحۃ بن عبیداللہ ، امام سفیان ثوری ، امام الاوزاعی ، امام ابن المنذر شامل ہیں ۔ انہوں نے سونے چاندی یعنی نقد رقم کے عوض زمین کو کرائے پر دینے کو حرام قرار دیا تھا اور جہاں تک دوسرے مال و متاع کے عوض کرائے پر دینے کا معاملہ ہے تو حضرت طاؤس ، حضرت حسن بصری حضرت عکرمہ مولی ابن عباس حضرت قاسم بن محمد ، امام عطاء ،امام مکحول ،امام مسروق ،امام شعبیٰ ان سب نے اسے حرام قرار دیا ہے (بہت سے دوسرے ائمہ مجتہدین جن میں امام ابو حنیفہ ، امام مالک اور امام شافعی شامل ہیں ، ان سب کے نزدیک بھی یہ معاملہ حرام تھا لیکن شاید اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے مقالہ نگار نے صرف چند ائمہ کے نام دیئے ہیں ۔ خیال رہے کہ یہ تمام کے تمام ائمہ مختلف فقہی مذاہب کے بانی تھے لیکن مختلف وجوہ کی بناء پر ان کی مرتب کردہ فقہ بعد کی نسلوں تک نہ پہنچ سکی)

ان سب کی دلیل یہ تھی کہ اس بارے مین رسول اللہ صلعم کا جو آخری اور صحیح عمل تھا وہ یہ تھا کہ آپؐ نے زمین کو اس کی پیداوار کے حصے کے بدلے بٹائی پر دینے سے منع کر دیا تھا ۔ زمین کی زراعت کی امام ابن حزم نے تین صورتیں بیان کی ہیں ، جن میں سے صرف ایک جائز ہے پہلی صورت یہ ہے کہ زمین کو نہ تو سونے چاندی کے عوض کرائے پر دیا جا سکتا ہے نہ ہی کسی دوسرے متاع یا غلہ کی مقررہ مقدار کے عوض ایسا معاملہ کیا جا سکتا ہے بلکہ کسی چیز کے بدلے میں بھی اسے کرائے پر یا بٹائی پر نہیں دیا جا سکتا ۔ جائز کاشت کاری کی صرف مندرجہ ذیل تین صورتیں ہیں ۔

۱ ۔ کہ مالک زمین خود اپنے آلات ، بیج ، اور حیوانات کی مدد سے زمین کاشت کرے ۔

۲ ۔ اگر کھیتی تیار ہو گئی ہے تو وہ اسے کاٹنے سے پہلے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے ۔ چاہے وہ دوسرا آدمی اس کے ساتھ آلات جانور اور بیج اور مددگار مہیا کرنے میں شریک ہی کیوں نہ رہا ہو ۔ اور وہ اپنے اس ساتھی سے اس فصل کے بدلے کچھ نہ لے ۔ ۳ ۔ یا وہ اپنی زمین کی کاشت کسی دوسرے سے کرائے اور اسے اس مقصد کے لئے آلات ، جانور اور بیج اور مددگار مہیا کرے تو اس صورت میں زمین کا مالک پیداوار میں سے تو مقررہ حصہ یعنی نصف ، ایک تہائی یا چوتھائی لے سکتا ہے ۔

Marfat.com

لیکن اگر اراضی کو بغیر کاشت کے چھوڑ دیا جائے تو اس سے مالک کی ملکیت ختم ہو جائے گی اور چراگاہ کی صورت اختیار کر لینے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کی مشترکہ ملیکت بن جائے گی ۔

اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کو پالنے والا ہے ۔

Marfat.com

دسواں باب

مکانات کا کرایہ اور خدمات کا اجر

زمین کے کرائے کے بارے میں واضح ارشادات نبوی نقل کئے جا چکے ہیں کہ آپ نے اس معاملے کو خالص سود قرار دیا پھر ان احادیث میں تضاد ظاہر کرنے کیلئے جن دوسری احادیث کا حوالہ دیا جاتا ہے ۔ ان کی حیثیت کے بارے میں بھی عرض کیا جا چکا ہے بعض حضرات نےاس معاملے کو اجارہ کے اصول پر جائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ہماری فقہ کی کتابوں میں اجارہ کی اتنی تفصیلات دی گئی ہیں کہ بعض اوقات کرایہ اوراجارہ کو ایک ہی چیز قرار دیا جاتا ہے ۔ چنانچہ ایسے واقعات کا سہارا لیتے ہوئے مکانات کے کرائے کے جواز کے لئے اکثر استدلال کیا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات عربی لفظ اجارے کا ترجمہ کرایہ کر دیا جاتا ہے جو علمی دیانتداری کے خلاف ہے ۔

اجارہ جائز ہے

زمین اور مکان کے کرایوں کو جائز قرار دینے والے ایک صاحب اجارہ کے بارے میں السید سابق کا یہ قول نقل کرتے ہیں ۔

الاجارۃ مشروعۃ بالکتاب والسنۃ والاجماع

(ترجمہ) یعنی اجارہ یا کرایہ شریعیت میں کتاب و سنت اوراجماع سے ثابت ہے ۔ (سہ ماہی رسالہ منہاج بابت اپریل ۸۷ ص ۱۴۵)

دیکھئے اصل عربی عبارت میں صرف اجارہ کے لفظ ہیں اورمترجم صاحب اس کا ترجمہ کرایہ کر رہے ہیں ۔ حالانکہ اجارہ اور کرایہ میں زمین و آسمان کا فرق موجود ہے ۔ جو آئندہ سطور میں بیان کیا جائیگا ۔

اس اجارہ کے جواز کے لئے انہوں نے سید سابق کے یہ دلائل نقل کئے ہیں

۱ ۔ کیا یہ لوگ تمہارے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں حالانکہ اس دنیا کی زندگی میں

Marfat.com

تو ان کی معیشت کا سامان ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیا ہے ۔ اور بعض کے درجے پر بعض بلند کر دئیے ہیں ۔ تاکہ یہ ایک دوسرے سے کام لیں اور تمہارے رب کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جو یہ لوگ سمیٹ رہے ہیں ۔

(سورۃ الزخرف ۔ ۲۲)

۲ ۔ اور اگر تم اپنی اولاد کو کسی انا سے دودھ بلوانا چاہو تب بھی تم پر کچھ گناہ نہیں ہے بشرطیکہ جو کچھ تم نے انہیں دستور کے مطابق دینا کیا ہے ان کے حوالے کردو ۔

(سورۃ البقرہ ۔۔۲۳۳)

۳ ۔ ان دو عورتوں میں سے ایک نے اپنے باپ سے کہا ۔ ابا جان اس شخص کو نوکر رکھ لیجئے بہترین نوکر جسے آپ رکھنا چاہیں وہ ہے جو قوی اور امانت دار ہو اور اس شخص میں ظاہراً دونوں صفات پائی جاتی ہیں ۔ اس پر لڑکیوں کے باپ نے حضرت موسی علیہ السلام سے کہا ، میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں ۔ بشرطیکہ تم آٹھ برس تک میرے ہاں ملازمت کرو ۔ اگر تم دس برس پورے کرو تو یہ تمہاری مرضی ہے ۔ میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا ۔

(سورۃ القصص ۔ ۲۶۔۲۷)

۴ ۔ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی الدیل قبیلے کے ایک شخص کو جو راستوں کا ماہر تھا، ملازم رکھا ۔

۵ ۔ ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصوۃ والسلام نے فرمایا کہ مزدور یا ملازم کو اس کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو ۔

۶ امام احمد ابوداؤد اور امام النسائی حضرت سعد بن وقاص سے روایت ہے کرتے ہیں کہ ہم زمین کو کرایہ پر دیا کرتے تھے ۔ اس پیداوار کے بدلے جو نالیوں کے کناروں پر ہو اور جس پر پانی خود بخود پہنچ جائے تو منع کیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اور حکم دیا کہ ہم کو زمین کو کرایہ پر دینے کا سونے یا چاندی کے بدلے میں ۔

۷ ۔ مزید سید سابق نے حجام کی اجرت سے متعلق حدیث بیان کی ہے پھر وہ لکھتے ہیں کہ اجارہ کے جواز پر تمام امت کا اجماع ہے اس اجماع کے خلاف کسی کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں ۔

Marfat.com

(سہ ماہی رسالہ منہاج بابت اپریل ۱۹۸۷ء ص ۱۴۶)

جناب سید سابق کی اس عبارت کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا اور خدشہ ہے کہ جس طرح اجارہ کا ترجمہ کرایہ کرکے ، خلط مبحث کی کوشش کی گئی ہے اسی طرح سید سابق کا نقطہ نظر نقل کرنے میں بھی احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہو گا ۔ ویسے اگر اس عبارت کو غور سے پڑھ لیا جاتا تو پھر اسے کرایہ مکان کے جواز کیلئے بنیادی اصول کے طور پر پیش نہ کیا جا سکتا ۔ جب کہ اوپر والی مثالوں سے واضح ہے ، اجارہ کے معنی اجرت پر کام کرانے کے ہیں اور اجرت پر کام کرنا ہر معاشرے کا معروف طریق ہے ۔ کام کرنے والا اپنے کام کے عوض اجرت وصول کرتا ہے ۔ اور اوپر قرآن و سنت سے جو مثالیں پیش کی گئی ہیں ، ان میں اجرت پر کام کرانے کا ذکر ہے ۔ ہر کام والا کسی نہ کسی شکل میں دماغی ، یا جسمانی محنت کرتا ہے اور دوسرا فریق اس کی محنت کی اجرت ادا کرتا ہے ۔ اس میں کسی کا حق غصب نہیں ہو رہا ۔ ہمارے نزدیک اجارے کا مفہوم یہی اجرت کے معاملات کو شامل ہے ۔

تاہم ان مثالوں میں حضرت سعد بن وقاص کی ایک روایت بھی ہے کہ ہم زمین کو اس کی پیداوار کے عوض کرائے پر دیا کرتے تھے تو رسول اللہ صلعم نے اس سے منع کر دیا اور حکم دیا کہ ہم زمین کو سونے اور چاندی کے عوض کرایہ پر دیں ۔ اس موضوع پر ایک سے زیادہ احادیث سابقہ ابواب میں نقل کی جا چکی ہیں اور موقع و محل کے لحاظ سے ان پر گفتگو بھی کی جا چکی ہے ۔ لیکن جس حوالے سے اجارے کے معاملات میں زمین کے اس کرائے کے معاملے کو شامل کیا گیا ہے تو اس روایت کی رو سے آپ نے بٹائی کے معاملے کو تو ناجائز قرار دے دیا لیکن اگر مالک زمین سونے چاندی کے عوض کسی کاشتکار کی خدمات حاصل کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس صورت میں کاشتکار کو اگر فصل تباہ بھی ہو جائے تو کوئی نقصان نہیں اٹھانا پڑے گا ۔ اسے اس کی اجرت مل چکی ہوگئی ۔ جبکہ بٹائی کے معاملے اس کے بالکل برعکس ہے اس میں فصل کی تباہی کی صورت میں کاشتکار ہی تباہ و برباد ہوتا ہے ۔ مالک زمین کا کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ اس کی زمین صحیح و سالم اور باقی رہتی ہے ۔ جیساکہ احادیث والے باب میں واضح کیا جا چکا ہے ، یہ اجازت بھی آپ نے ابتدائی دور میں تھی بعد میں جب سود، کے احکامات نازل ہوئے تو آپ نے زمین کے کرائے کے تمام معاملات کو بھی ناجائز قرار دے دیا تھا ۔ جس کی تفصیلات سابقہ صفحات میں گزر چکی ہیں ۔

Marfat.com

اجارہ کی فقہی تعریف

فقہ کی کتابوں میں اجارہ کی جو تعریف بیان کی گئی ہے ۔ اس سے بھی ہمارے اس نقطہ کی تائید ہوتی ہے ۔ حنفی فقہ کی ایک معتبر کتاب شرح فتح التقدیر ہمارے اس نکتہ نظر کی تائید ہوتی ہے ۔ حنفی فقہ کی ایک معتبر کتاب شرح فتح القدیر میں بیان کی گئی ہے ۔

الاجارۃ عقد علی المنافع بعوض لان الاجارۃ فی اللغۃ بیع المنافع والقیاس یابی جوازۃ لان المعقودعلیہ المنفعۃ وھی معدومۃ
(جلد ہفتم ص ۱۴۵ تا ۱۴۷)

(ترجمہ) اجارہ کسی چیز کے عوض نفع حاصل کرنے کا معاہدہ ہے ، کیونکہ اجارہ کے لغوی معنی کو فروخت کرنے کے ہیں اور قیاس کہتا ہے کہ یہ معاملہ جائز نہیں ہونا چاہیے ۔ کیونکہ جس نفع کے لیے معاہدہ کیا جارہا ہے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ۔

اجارہ کی اس تعریف کو سامنے رکھا جائے تو اجارہ کے مختلف معاملات کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے ۔ جن معاملات میں خدمات کا نفع معلوم ہو اجارہ کے وہ معاملات تو مطلاً جائز ہیں ۔ ہاں جن کے نفع کے بارے میں حتمی طور پر معلوم نہ ہو وہ مشکوک ہوں گے ۔ اول تو زمین کے کرائے پر اجارہ کے معاملے کا اطلاق ہی صحیح نہیں کیونکہ اس میں کاشتکار کی محنت کے بارے میں صحیح طور پر معلوم نہیں کہ اس سے کیا حاصل ہو گا ۔ اس لئے تو فقہاء نے خود اجارہ کے جواز کے بارے میں تردد کیا ہے اور بالفرض اگر اس کا اطلاق کیا جائے تو ہمارے نزدیک اس کا مفہوم زمین کی کاشت کو اجرت پر کرانا ہے جیسا کہ اس باب کے شروع میں واضح کیا جا چکا ہے ۔ ہمارے فقہاء حضرات نے اجارے کی یہ صحیح صحیح تعریف تو کردی ۔ لیکن جب بعد میں مختلف معاملات پر اس کا اطلاق کیا تو وہ حرام معاملات کو بھی جائز قرار دیتے گئے اسکی وضاحت ایک مثال سے ہو گی ۔ حنفی فقہ کی ایک معتبر کتاب فتاوی عالمگیری جسے پانچ صد فقہاء نے تالیف کیا تھا اس میں اجارے کے ایسے ایسے معاملات درج ہیں کہ پھر کوئی معاملہ حرام نہیں رہ جاتا ۔ ایک معاملہ ملاحظہ ہو ۔

Marfat.com

اجارہ کے ذریعے زناکاری کا جواز

"اگر ایک عورت کو اجارہ پر لیا تاکہ اس کے ساتھ زنا کرے یا اس سے وطی کرے یا کہا کہ تو یہ درہم لے تاکہ میں تجھ سے وطی کروں یا کہا کہ تو مجھے اپنے اوپر اس قدر درہموں کے عوض قابو دے ۔ پس عورت نے منظور کیا اور ایسا واقع ہوا تو اس کو حد نہ ماری جائیگی ۔

(فتاوی عالمگیری جلد، سوم ص ۲۶۵ مطبوعہ قانونی کتب خانہ کچہری روڈ لاہور)

ظاہر ہے کہ زناکاری اسلام میں ایک جرم عظیم ہے لیکن ہمارے فقہاء نے اس پر بھی اجارے کے اصول کا اطلاق کرکے اسے جائز معاملہ بنا دیا ہے ۔ زمین اور مکانات کی شریعت اسلامی میں خصوصی اہمیت ہے ۔ شریعت نے جب مومنوں کو اپنے ہر قسم کے مال میں خرید و فروخت کی اجازت دی تو آخر سوچنے کی بات ہے کہ زمین کی فروخت کے سلسلے میں کیوں پابندی لگائی گئی ۔ اس کی بھی مصلحتیں تھیں اور آج وہ مصلحتیں ہر ایک کو نظر آ رہی ہیں ۔ یہاںتک کہ وہ لوگ جو اللہ تعالی اور کسی رسول پر ایمان نہیں رکھتے تاریخ کے مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ زمین کی انفرادی ملکیت معاشرے کے لئے فساد کا باعث بنتی ہے ۔ چنانچہ انہوں نے اپنے معاشروں کی تعمیر زمین کو سارے معاشرے کی ملکیت کے اصول پر کی ہے لیکن حیرت کی بات ہے کہ ان مصلحتوں کے واضح ہو جانے کے بعد ہم اس بارے میں واضح اسلامی احکامات کی تاویل کرکے ، زمین کی انفرادی ملکیت پر زور دے رہے ہیں ۔ اور اس کے لئے ایسے ایسے دلائل دے رہے ہیں جن کے کوئی سر پاؤں نہیں ۔

مختصر یہ کہ اجارے کا اطلاق محنت کے ان معاملات پر ہوتا ہے ۔ جس میں کام کرنے والا اپنی محنت کی اجرت وصول کرتا ہے اس اجارے کی شرعی حیثیت قرآن وسنت کی رو سے بالکل متعین ہے یعنی یہ جائز ہے ۔ اور اس کی تائید میں اس باب کے شروع میں قرآن و حدیث سے جن معاملات کو پیش کیاگیا وہ سب محنت کی اجرت کے بارے میں ہیں ۔ زمین یا مکان کے کرائے پر اس کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس بارے میں شارع علیہ اسلام نے علیحدہ واضح حکامات دیئے ہیں ۔ فقہ کی کتابوں میں اس بارے میں جو جزئیات دی گئی ہیں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں کیونکہ ان جزئیات کے ذریعے تو ایسے حرام کاموں مثلا زنا کاری وغیرہ کو بھی جائز قرار دے دیا گیا ۔ جس کی مثال فتاوی عالمگیری سے سطور سابقہ میں نقل کی جا چکی ہے ۔

Marfat.com

گیارھواں باب

مضاربت اور کرایہ زمین و مکان

مضاربت کے اصول پر مزارعت کے جواز کا فتوی

ایک سابقہ باب میں بیان کیا جا چکا ہے ۔ کہ حنفی فقہ کے ایک امام قاضی ابو یوسفؒ نے مزارعت کو مضاربت کے اصول پر جائز قرار دیا تھا ۔ اس بارے میں انہوں نے یہ استدلال فرمایا تھا :

یجوز علی اصول المضاربۃ لحاجۃ الناس الیھا ۔
(ترجمہ) مزارعت کا معاملہ مضاربت کے اصول پر جائز ہے ۔ لوگوں کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے ۔

اس بارے میں فتاوی عالمگیری کے حوالے سے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس فتوی کے باوجود امام صاحب ایسی مزارعت سے حاصل ہونے والی آمدنی کو جائز تصور نہیں کرتے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے یہ فتوی دیا کہ اگر ایسا کوئی آدمی دعوت دے تو فاسق کی دعوت کی طرح اس کی دعوت بھی قبول نہ کی جائے ۔
(فتاوی عالمگیری عربی جلد پنجم ۳۴۳)

اس سے واضح ہے ۔ کہ مضاربت کے اصول پر امام ابویوسفؒ بٹائی کے معاملے کے جواز کا فتوی اضطراری صورت حالات کے لئے تھا ۔ لیکن بعد میں ان کے حوالے سے اسے ایک عام جائز معاملہ قرار دیا گیا ۔ حیرت کی بات ہے کہ فقہ کی تمام کتابوں میں امام صاحب کی ایسے شخص کی آمدنی کے بارے میں مذکورہ بالا فتوی بھی موجود ہے اور اس کے باوجود ہمارے بہت سے فقہاء نے بٹائی کے معاملے کے عام جواز کا فتوی دے دیا ۔ یہی نہیں بلکہ بٹائی کے حرام معاملے کے جواز کے لئے مضاربت کی بھی غلط تعریف کی گئی ۔ اسلئے پہلے یہ ملاحظہ ہو کہ فقہ کی کتابوں میں اس کی کیا تعریف بیان کی گئی ہے :۔

مضاربت کی صحیح تعریف

ھی فی اللغۃ عبارۃ ان یدفع شخص مالًا لِآخرِ لیتجرُ فیہ علی ان یکون الربح بینھما علی ماشرطا والخسارۃ علی صاحب المال

(الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد، سوم ص ۴۲؛

(ترجمہ) لغت میں مضاربت کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص دوسرے کو تجارت کے لئے سرمایہ دے ۔ اس شرط پر کہ نفع تو ان دونوں کے درمیان بمطابق شرط تقسیم ہو گا لیکن نقصان کا ذمہ دار صرف صاحب سرمایہ ہو گا

اس نقصان کو سامنے رکھتے ہوئے امام مالک نے مضاربت کے معاملے میں صاحب سرمایہ کے لئے یہ لازمی قرار دیا کہ اگر کاروبار میں نقصان ہو جائے تو کام کرنے والے فریق کو کاروبار کے عرصے کے لئے مناسب خرچ جو معروف طریقے کے مطابق ہو دیا جائے ۔ (موطا امام مالک جلد دوم صفحہ ۸۸ مطبوعہ مصر) امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد سوم ۴۵)

اس طرح کام کرنے والے فریق کو ہر قسم کے نقصان سے بچانے کی ضمانت دینے کے باوجود بہت سے ائمہ نے مضاربت کی شرعی حیثیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا ۔ علامہ ابن حزم نے اپنی ایک کتاب مراتب الاجماع میں اس بارے وضاحت کی ہے کہ فقہ کے ہر باب کی اصل کتاب و سنت میں ملتی ہے ۔ مگر مضاربت کے معاملے کی کوئی اصل کتاب دسنت میں نہیں ملتی ۔

(نیل الاوطار جلد پنجم ص ۲۸۲)

مضاربت دراصل زمانہ جاہلیت کا ایک معاملہ تھا ۔ جسے اسلامی دور میں بھی جاری رکھا گیا تا ہم اس بارے میں یہ احتیاط کرلی گئی کہ نقصان کی صورت میں کاروبار کرنے والے فریق کو تباہی سے بچا لیا جائے ۔ اس بارے میں امام مالک کا فتوی سابقہ سطور میں نقل کیا جا چکا ہے ۔ لیکن بعد میں جن حضرات نے اس اصول پر مزارعت کے معاملے کو جائز قرار دیا انہوں نے اس بارے میں خوب کھل کھیلے ۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ سب سے پہلے مضاربت کے اصول پر مزارعت کے جواز کا فتوی قاضی ابو یوسفؒ نے دیا تھا ۔ لیکن ان کا وہ فتوی اضطراری صورتوں کے لئے تھا ۔ اضطراری حالات کے لئے

Marfat.com

کسی حرام چیز کے جواز کا فتوی دیا جائے تو وہ چیز حلال نہیں ہو جاتی البتہ اس چیز کا مرتکب شرعی سزا سے بچ سکے گا ۔ لیکن بعد میں نہ صرف یہ کہ ان کے اس فتوی کا حوالہ دیکر زمین کے کرائے یعنی بٹائی کے جواز کے معاملے کو عام اسلامی قانون کے طور پر لاگو کر دیا گیا ۔ بلکہ اس مقصد کے لئے مضاربت کی تعریف میں بھی تحریف کی گئی ۔ مولانا مودودی صاحب نے زمین کے کرائے کو جائز ثابت کرنے کے لئے مضاربت کی تعریف میں یہ رد و بدل کیا :۔

"اسلامی قانون نے تجارت و صنعت اور معاشی کاروبار کے تمام شعبوں میں آدمی کو اس بات کی کھلی اجازت دی ہے کہ وہ نفع و نقصان کی شرکت کے اصولوں پر دوسروں کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرے ۔ ایک شخص دوسرے شخص کو روپیہ دے سکتا ہے اور طے کر سکتا ہے کہ اس سے کاروبار کرکے نفع و نقصان میں آدھے یا چوتھائی کا شریک ہو ۔))

(مسئلہ ملکیت زمین از مولانا ابو الاعلی مودودی صاحب صفحہ ۵۸ ایڈیشن اول)

مضاربت اور قیاس

مضاربت کی فقہی تعریف سطور سابقہ میں بیان کی جا چکی ہے جس کے مطابق معاملے کے فریقین صرف منافع میں شریک ہونگے جبکہ نقصان سب کا سب صاحب سرمایہ کے ذمے ہو گا ۔ چونکہ اس تعریف کی موجودگی میں مضاربت کے معاملے کا اطلاق مزارعت پر پوری طرح نہیں ہو سکتا تھا ۔ اسلئے اس کی تعریف میں رد و بدل کر دیا گیا ۔ اب دیکھئے کہ امام ابو یوسف کے اس فتوی کے خلاف دوسرے فقہاء کا کیا رد عمل تھا ان کا کہنا تھا کہ مضاربت کا جواز خود مساقات کے معاملے پر قیاس کر کے ثابت کیا گیا ہے ۔ تو اس پر مزارعت کو کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے ۔ مساقات سے مراد باغوں کے درختوں کے پانی پلانا اور ان کی نگرانی کرنا ہے اور اگر ان درختوں کو درمیان زمین کا کوئی ٹکڑا خالی ہو تو اسے کاشت بھی کر لیا جائے ۔ ان کے نزدیک مزارعت کو مضاربت پر قیاس کرنا، اسلئے درست نہیں کہ مضاربت کے جواز کے لئے جو عقلی وجہ پیش کی جاتی ہے وہ مزارعت کے معاملے میں نہیں پائی جاتی ۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ مضاربت میں چونکہ تجارت ہوتی ہے اور تجارت میں بعض دفعہ نفع تو درکنار الٹا راس المال میں نقصان ہو خسارہ ہو جایا کرتا ہے پھر جو شخص اپنا مال دوسرے کو مضاربت پر دیتا ہے اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مضاربت میں خسارہ یا گھاٹا ہو جائے تو وہ تمام تر اسے برداشت کرنا پڑے

Marfat.com

گا ۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنا مال دوسرے کو مضاربت پر کام کرنے کیلئے سرمایہ دیتا ہے ۔ تو اس معاملے میں اس کی طرف سے دوسرے کیلئے ایک قسم کا ایثار ہوتا ہے ۔ لہذا اس ایثار کی وجہ سے اس کے لئے یہ جواز پیدا ہو جاتا ہے کہ نقع کی صورت میں وہ اس کا ایک حصہ لے ۔ گویا جو نقصان برداشت کرنے کے لئے تیار ہو وہ عقلاً نفع کا بھی حقدار بن سکتا ہے ۔ اور جیسا کہ امام مالک کے حوالے سے بتایا جا چکا ہے مضاربت میں کام کرنے والا فریق اپنے کھانے پینے وغیرہ کے لئے ضروری اخراجات مضاربت کے سرمائے سے پورے کر سکتا ہے ۔ ادھر نفع ہونا بھی یقنی نہیں ہوتا لہذا مال والے فریق کی جانب سے یہ بھی ایک قسم کا ایثار ہوتا ہے جو اس کے لئے نفع میں حصہ دار ہونے کا جواز پیدا کر دیتا ہے ۔ بخلاف مزارعت کے کہ اس میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ محض کاشت کرنے سے زمین کے طول و عرض میں کمی واقع ہوگئی ہو ۔ اسی طرح کاشتکاری کے دوران مالک زمین کی طرف سے کاشتکار کے لئے خرچ وغیرہ کی کوئی رعایت نہیں ہوتی کہ جس کا بوجھ مالک زمین کو برداشت کرنا پڑے ۔ لہذا مزارعت میں جواز کی وہ عقلی وجہ موجود نہیں ہوتی جو مضاربت میں ہوتی ہے ۔ اسلئے اسے اس معاملے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ۔

شریعیت اسلامی کے اصولوں کا اگر خیال کیا جائے تو پھر بھی مزارعت کو مضاربت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ۔ مزارعت کے بارے میں خود رسول اللہ صلعم سے درجنوں اقوال منقول ہیں ۔ ان سب کو نقل کرنے کے بعد یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ معاملہ شریعیت اسلامیہ میں جائز نہیں ۔ جبکہ مضاربت کے بارے میں سنت کے ذخیرے میں ایک لفظ بھی نہیں ملتا فقہاء نے قیاس کی بنیاد پر اس کا جواز ثابت کیا ہے ۔ قیاس ، احادیث کے مقابلے میں ادنٰی حیثیت رکھتا ہے ، اسلئے اگر مزارعت کو مضاربت پر قیاس کیا جائیگا تو اس سے ادنٰی معاملے کو اعلٰی معاملے پر ترجیح دی جائیگی جو خود قیاس کے اصول کے خلاف ہے ۔

مضاربت کے اصول پر سب سے پہلے جواز کا فتوی قاضی ابو یوسفؒ نے دیا تھا جس کا حوالہ دیکر اس حرام معاملے کا عام جواز ثابت کیا جاتا ہے ۔ لیکن اس باب کے شروع میں نقل کیا جا چکا ہے کہ ان کا یہ فتوی مزارعت کے معاملے کا عام اور کھلے جواز کے لئے نہیں تھا بلکہ اضطراری حالتوں کے لئے انہوں نے فتوی دیا تھا ۔ اضطراری حالت کے لئے کسی چیز کے جواز کے فتوی سے حرام چیز حلال نہیں ہو جاتی وہ حرام ہی

Marfat.com

رہتی ہے ۔ بس صرف اس چیز سے فائدہ اٹھانے والا شریعیت اسلامی کے نزدیک مجرم یا گناہگار نہیں ٹھہرتا ۔ قاضی صاحب کے اس مشروط فتوے سے اس معاملے کے جائز ہونے کی عمومیت پر دلالت کرنا کسی طور پر مناسب نہیں لیکن بہت سے حنفی فقہاء نے ایسا کیا ہے ۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا وہ فتوی جو فتاوی عالمگیری جلد پنجم کے صفحہ ۳۴۳ پر ہے اور جسے اس باب کے شروع میں نقل کیا جا چکا ہے ۔ ان کی نظر سے نہیں گزرا تھا ۔ اسلئے اس حرام معاملے کے جواز کا فتوی دینے والے علماء سے توقع کی جاتی ہے ۔ کہ وہ قاضی صاحب کا ہی فتوی غور سے مطالعہ فرمائیں اور ان کے اسم گرامی کے حوالے سے وہ جو مزارعت کا جواز ثابت کرتے ہیں ، اس سے اپنی برأت کا اظہار فرمائیں ۔

Marfat.com

بارھواں باب

اسلام کے معاشی مقاصد

ہمارے معاشرے پر سرمایہ دارانہ   ے غلبے کی وجہ سے لوگ اسلام کے معاشی مقاصد سے بے خبر ہو چکے ہیں ، اگر وہ ان مقاصد کو اپنے ذہنوں میں تازہ کر لیں ۔ تو وہ خود بخود یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ زمین یا مکان کا کرایہ کوی پسندیدہ آمدنی نہیں ہے ایسے نیک لوگوں کی رہنمای کے لئے اسلام کے معاشی مقاصد کی ایک جھلک ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے ۔ جو اس بارے میں فیصلہ کرنے میں ان کی رہنمائی کریں گے ۔

بنیادی ضرورتوں کی ضمانت

اسلام کے معاشی نظام کا سب سب بڑا مقصد یہ ہے کہ معاشرے کے ہر فرد کو چاہے وہ بچہ ہو یا بوڑھا، عورت ہو یا مرد ، مریض ہو یا صحتمند نیک ہو یا بدکار، کافر ہو یا مسلم بلاکسی فرق و امتیاز کے زندگی کی بنیادی سہولتیں میسر ہوں ۔ یہ بنیادی ضرورتیں تین ہیں روٹی ، کپڑا اور مکان ۔ اگر کسی انسان کو یہ تین بنیادی چیزیں مسیر نہ ہوں ۔ تو وہ نہ تو اطمینان سے کام کر سکتا ہے اور نہ ہی خوشگوار زندگی گزار سکتا ہے ۔ اس صورت حالات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کے ذمے جو فرائض ہوتے ہیں وہ انہیں ٹھیک طرح سے پورا نہیں کر سکتا چنانچہ قرآن و سنت میں یہ تاکید کی گئی کہ ہر انسان کی یہ بنیادی ضرورتیں پوری کی جائیں اس سلسلے میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے رہنمائی ملتی ہے ۔

۱ ۔ وَقَدَّرَ فِیھَا اَقواتَھَا فی اربعۃ ایام سواءً للسائلین

(سورۃ حم سجدہ ۔ ۱۰)

(ترجمہ) اور اللہ تعالی نے زمین میں اس کے وسائل خوراک چار دنوں کے اندر ایک انداز سے رکھ دیئے ہیں ۔ سب ضرورت مندوں کے لئے یکساں ۔

Marfat.com

۲ ۔ ومامن دابۃ فی الارض الّا علی اللہ رزقُھا (سورۃ ہود ٦)
(ترجمہ) اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالی نے اپنے اوپر لے لی ہے ۔

اللہ تعالی کی اس ذمہ داری کو اسلامی حکومت نے پورا کرنا ہوتا ہے ۔ اسلئے شریعیت اسلامی میں زمین کی ملکیت ناجائز قرار دی گئی تاکہ سب ضرورتمند اس سے فائدہ اٹھا سکیں ۔

۳ ۔ نحن نرزقُھم وایاکم ۔ (سورۃ الاسراء ۔ ۳۱)
(ترجمہ) ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی ۔

۴ ۔ و جعلنا لکم فیھا معائش و من لستم لہ براز قین ۔ (سورۃ الحجر ۔۲۰)

(ترجمہ) اور ہم نے تمہارے لئے زمین میں معیشت کے سامان بنا دیئے اور ان کے لئے جنہیں تم روزی نہیں دیتے ۔

۵ ۔ ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً , (سورۃ البقرہ ۔ ۲۹)

(ترجمہ) وہی ذات ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے ۔

اس موضوع پر قرآن مجید میں درجنوں آیات ملتی ہیں ۔ لیکن اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے صرف ان پانچ کو نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ اس اہم ذمہ داری کو پورا کرنا ایک اسلامی ریاست کا اولین فرض ہے وہ حکومتی نظام کے ذریعے محروم لوگوں کو اس قابل بنائے گی کہ وہ زندگی کی یہ بنیادی ضروریات حاصل کر سکیں ۔ اس بارے میں مومنوں کو ارشاد فرمایا ہے :۔

۱ ۔ ان مکنھم فی الارض اقامو الصلٰوۃ واٰتو الزکوٰۃ (سورۃ لحج ۔۴۱)

(ترجمہ) اگر ہم انہیں اس دنیا میں حکومت دیں گے تو وہ نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرینگے ۔

۲ ۔ خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا (سورۃ التبہ ۱۰۲)

(ترجمہ) ۔ اے نبی ان کے اموال میں سے صدقہ وصول کر کے انہیں پاک کر دو اور ان میں اوصاف حمیدہ کو نشوونما دو ۔

Marfat.com

ضرورت سے زائد مال

اسلام تمام معاملات کی تکمیل صرف اسلامی حکومت تک محدود نہیں کرتا ۔ اگرچہ یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری کرے ۔ لیکن ساتھ ہی وہ صاحب ثروت مسلمانوں سے بھی یہ تقاضا کرتا ہے ۔ کہ وہ اس کام میں اسلامی حکومت کا ہاتھ بٹائیں اس بارے میں ارشاد ہے :۔

یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو ۔ (سورۃ البقرہ ۔ ۲۱۹)

(ترجمہ) وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں ؟ آپ فرما دیجئے جو ضرورت سے زائد ہو ۔

قرآن حکیم کا یہ ارشاد بڑا واضح ہے ۔ اور اسلامی معیشت کے بارے میں دوسری تعلیمات سے اس کی تائید ہوتی ہے ۔ لیکن ملوکیت کے زیر اثر بعض علماء نے یہ فتوی دے دیا تھا کہ قرآن کی یہ آیت آیات زکوٰۃ سے منسوخ ہوگئی تھی اور اب سرمایہ داری نظام کے علمبردار حضرات اس منسوخ ہونے والے قول پر اصرار کرتے ہیں ہمارے نزدیک قرآن مجید میں کوئی ایک آیت تو کیجا اسکا ایک لفظ بلکہ حرف تک منسوخ نہیں ہوا ۔ ایسا ماننے کی صورت میں قرآن مجید میں اختلاف ماننا پڑتا ہے جو حجیت قرآن کے خلاف ہے ۔ پھر دیکھئے بعض اہل علم کے نزدیک قرآن مجید کی پانچ سو آیات منسوخ ہیں اور بعض کے نزدیک صرف پانچ اور جس صاحب نے سب سے پہلے اس موضوع پر کتاب لکھی تھی اور جو آجکل کے نسخ کے قائل لوگوں کا بڑا سہارا ہے ۔ وہ ایک نیم پاگل شخص تھا اور آخر الامر اپنی اسی حالت کی وجہ سے اس نے دریائے نیل میں چھلانگ لگا کر خود کشی کرلی تھی ۔ اس لئے ہمارے نزدیک نہ تو یہ آیت منسوخ ہے اور نہ ہی قرآن مجید کی کوئی دوسری آیت اس زمرے کے تحت آتی ہے ۔

بعض اہل علم نے خواہ مخواہ اسے متشبہات میں شمار کیا ہے ۔ حالانکہ اس آیت میں جو حکم دیاگیا ہے وہ بالکل واضح ہے ۔ اور اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے جس میں قرآن حکیم نے مسلمانوں کو منع کیا ہے کہ دولت صرف دولتمند لوگوں کے درمیان ہی حرکت نہ کرتی رہے بلکہ اس سے معاشرے کے محروم طبقات کی ضروریات بھی پوری کی جائیں ۔

Marfat.com

دولت صرف اغنیاء کے پاس جمع نہ رہے

حکومت کے خزانے میں جو دولت جمع ہوتی ہے ۔ قرآن مجید نے اس کی تقسیم کا یہ اصول مقرر کیا ہے کہ اس بارے میں اس امر کا خیال رکھا جائے کہ یہ دولت صرف امیر گھرانوں تک ہی محدود نہ رہ جائے ۔ ارشاد ہے :۔

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فِاللہ و للرسول ولذی القُربی والیتمٰی والمسٰکین وابن السبیل ۔ کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم ۔ (سورۃ الحشر ۔۷)

(ترجمہ) جو کچھ پھیر دے اللہ تعالی اپنے رسول کی طرف بستیوں کے لوگوں سے وہ اللہ تعالی کے لئے ہے اوررسول کے لئے اور قرابت داروں کے لے اور مساکین اور مسافروں کے لئے تاکہ یہ دولت صرف دولتمند لوگوں ہی میں چکر نہ لگاتی رہے ۔

اس مال کو جس طرح رسول اللہ صلعم نے خرچ کیا وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے ۔ آپؐ نے رہائش کے لئے ایک ایسے سادہ سے مکان پر اکتفاء کیا جو معاشرے کے ہر فرد کو میسر تھا ۔ وہی لباس استعمال کیا جو معاشرے کے ہر فرد کے لے حاصل کرنا آسان تھا ۔ آپکا کھانا بھی وہی تھا جو عام لوگوں کو میسر تھا ۔ اسلامی بیت المال کی باقی دولت کو وہ دوسرے حق داروں کی ایسی ضروریات پر خرچ فرماتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس معاشرے میں کوئی محروم باقی نہ رہا ۔ آپ ہر گھرانے کی یہ بنیادی ضروریات پوری کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے ۔ اور اس بارے میں حکم جاری کر رکھا تھا

من ترک کلا فالینا و من ترک مالًا فلو رثتہ

(کتاب الاموال لابی عبید صفحہ ۲۳۶)

(ترجمہ) جو شخص عیالداری قرض وغیرہ کا بوجھ چھوڑ کر مر جائے تو وہ ہمارے یعنی اسلامی حکومت کے ذمے ہوگا ۔ اور جو شخص مال چھوڑ کر مرجائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہوگا ۔

امام ابوعبید جنہوں نے یہ حدیث حضرت ابو ھریرہ سے روایت کی ہے وہ اسی مفہوم کی ایک دوسری حدیث مقدام بن معدی کرب سے روایت کرتے ہیں پھر ان احادیث میں وارد لفظ "کل" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس سے مراد کسی مرنے والے کی عیالداری اور دوسری تمام ذمہ داریاں ہیں ۔ (ایضاً)

Marfat.com

افراد معاشرہ کے حقوق میں توازن و تناسب

اس کے ساتھ قرآن مجید میں مسلمانوں کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم کیا جائے اور ہر ایک کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے ۔ ارشاد ہوا :۔

ان اللہ یا مرکم بالعدل و الاحسان و ایتاء ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر واَلبغی یعظکم لعلکم تذکرون (سوۃ النحل۔ ۹۰)

(ترجمہ) اللہ تعالی لوگوں کے درمیان عدل و احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے ۔ وہ تمہیں بدی ، بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو ۔

بعض علماء نے اس آیت میں عدل سے لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب مراد لیا ہے ۔ جبکہ کچھ نے عدل کا مفہوم انصاف لیتے ہوئے لوگوں کے درمیان حقوق کی برابر تقسیم مراد لی ہے ۔ جیسا بھی ہو معاشرے کے محروم افراد کی حالت سنوارنے کی ذمہ داری حکومت پر بھی ڈالی گئی اور مومنوں پر بھی ۔ اور اسی مقصد کے پیش نظر انہیں اپنی ضرورت سے زائد دولت جمع کرنے کی اجازت نہ دی گئی ۔

دولت جمع کرنے کی ممانعت

شریعت اسلامی نے دولت کمانے پر کوئی پابندی نہیں لگائی ۔ لیکن اس کے خرچ پر ضرور پابندی لگاتی ہے ۔ وہ مسلمانوں کو فضول خرچی سے روکتی ہے ۔ اس بارے میں ارشاد ہے ۔

ویل لکل ھمزۃ لمزۃ الذی جمع مالًا وعددہ یحسب ان مالہ اخلدہ کلا لینبذن فی الحطمۃ (سورۃ الھمزہ ۔ ۱ ۴)

(ترجمہ) خرابی ہے ہر اس شخص کے لئے جو عیب چین اور بدگو ہے ۔ جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا ۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ باقی رکھے گا ۔ ہر گز نہیں وہ پھینکا جائیگا توڑ ڈالنے والی آگ میں ۔

اور پھر فرمایا :

Marfat.com

والذین یکنز ون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم (سورۃ التوبہ ۔ ۳۴)
(ترجمہ) اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں درد ناک عذاب کی بشارت دے دو ۔

ان ارشادات ربانی سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے پاس جو مال و دولت اس کی ضروریات سے بچ جاے وہ اس کے پاس اللہ تعالی کی جانب سے سونپی گئی امانت ہے جو اس نے اللہ تعالی کے احکامات کے مطابق خرچ کرنی ہوگی ۔ ہمارے موجودہ دور کے علماء کی اکثریت سرمایہ داری نظام کی علمبردار بن کر ان اسلامی تعلیمات کو بھول چکی ہے ۔ لیکن ایک نسل پہلے تک کے علماء اس بارے میں وہی نقطہ نظر رکھتے تھے جو ہم نے پیش کیا ہے اس سلسلے میں ہندو پاک کے ایک مقتدر عالم دین مولانا محمود الحسن صاحب فرماتے ہیں :

"جملہ اشیاء عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان خلق لکم مافی الارض جمیعاً تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس ہے اور کوئی شی فی حد داتہ کسی کی مملوک نہیں ۔ بلکہ ہر شے اصل خلقت میں جملہ ناس میں مشترک ہے ۔ اور من وجہ سب کی مملوک ہے ، ہاں بوجہ رفع نزاع وحصول انتفاع قبضہ کو علت ملک مقرر کیا گیا اور جب تلک کسی شے پر ایک شخص کا قبضہ نامہ مستقلہ باقی رہے اس وقت تک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کر سکتا ۔ ہاں خود مالک و قابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے ۔ بلکہ اس کو اوروں کے حوالے کر دے ۔ کیونکہ ، باعتبار اصل اوروں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ مال کثیر حاجت سے زائد رکھنا بہتر نہ ہوا ۔ گو زکواۃ بھی ادا کر دی جائے ۔ اور اتقیاء وصلحاء اس سے بغایت مجتنب رہے ۔ چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے ۔ کہ بعض صحابہ و تابعین وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام قرار دیا ۔ بہر کیف غیر مناسب و خلاف اولی ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زائد علی الحاجت سے اس کی تو کوئی غرض متعلق نہیں اور اوروں کی ملک من وجہ اس میں موجود تو گویا شخص مذکورہ من وجہ مال غیر پر قابض و متصرف ہے اور اس کا حال بعینہ مال غنیمت کا تصور کرنا چاہیئے وہاں بھی قبل تقسیم یہی قصہ ہے کہ کل مال غنیمت تمام

مجاہدوں کا مملوک سمجھا جاتا ہے ۔ مگر بوجہ ضرورت و حصول انتفاع بقدر حاجت ہر کوئی مال مذکور سے منتفع ہو سکتا ہے ہاں حاجت زائد جو رکھنا چاہے اس کا حال آپ کو معلوم ہے کہ کیا ہونا چاہیے (یعنی خائن شمار ہوگا)"۔

(ایضاح الادلۃ صفحہ ۲۶۸ بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام مصنفہ مولانا محمد حفیظ الرحمٰن سیوہاروی صفحات ۴۲ ، ۴۳)

اپنے اس ارشاد میں جو قدیم اردو زبان میں ہے شیخ الہند صاحب واضح الفاظ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ، ہماری ضرورت سے جو زائد مال ہے اس پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے ۔ شرعی احکامات کے مطابق وہ ان لوگوں کی ملکیت ہے ۔ جو ان ضروریات سے محروم ہیں ۔ اگر کوئی مسلمان یہ مال ان کے حوالے نہیں کریگا تو شریعیت اسلامی کی رو سے خائن تصور ہو گا ۔

استاد مکرم مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری صاحب فرماتے ہیں کہ یہ صرف شیخ الہند مولانا محمود الحسن ہی کا نقطہ نظر نہیں تھا بلکہ اس دور کے سب علمائے دین ، ضرورت سے زائد مال کے بارے میں ایسا ہی عقیدہ رکھتے تھے ۔ اس بارے میں وہ اپنے ایک استاد کا ذکر فرماتے تھے ۔ کہ وہ ہمیشہ اسی عقیدہ کا پرچار کرتے رہتے تھے ۔ لیکن انہوں نے اپنا ایک ضرورت سے زائد مکان کو کرائے پر دے دیا تھا ۔ ہم سب حیران تھے کہ اتنے نیک وپارسا انسان ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے عقیدے کے خلاف یہ طرز عمل اختیار کرکے کوئی اچھا کام نہیں کیا ۔ لیکن ان کی جلالت شان کی وجہ سے کسی کو اس بارے میں ان سے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوتی تھی ۔

چند سال بعد وہ خود کرایہ دار کے پاس حاضر ہوئے ۔ ان کے پاس مکان کی رجسٹری تھی ۔ انہوں نے فرمایا کہ کرایہ دار ہر ماہ جو کرایہ دیتا تھا وہ اسے مٹی کے ایک گھڑے میں جمع کرتے رہے ۔ اب جو اس رقم کو گنا تو وہ اس کے برابر تھی جو انہوں نے اس مکان پر خرچ کی تھی ۔ اس لئے آج سے اس مکان کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں رہا ۔ اور مکان کی رجسٹری کرایہ دار کے حوالے کرکے اسے مالک مکان بنا دیا ۔

ہماری پچھلی نسل کے ان علماء کا یہ طرز عمل ہماری کافی رہنمائی کرتا ہے ۔ ان کا یہ طرز عمل ان اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھا ۔ جن کی تفصیلات سابقہ صفحات میں

Marfat.com

گزر چکی ہے ۔ وہ ہر مسلمان کی ضرورت سے زائد آمدنی میں دوسرے ضرورتمند مسلمانوں کا حق تسلیم کرتے تھے ۔ اس تصور کے مطابق اگر کسی مسلمان کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ مکان ہے ۔ تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے ضرورتمند بھائیوں کو بغیر کرائے کے استعمال کرنے دے ۔ اور اگر بعض وجوہات کی بنا پر وہ کرایہ لیتا ہے تو اسے وہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیے جو استاد مکرم مولانا شاہ جعفر پھلواری صاحب کے استاد نے کیا تھا ۔ کہ جب کرائے کے ذریعے مالک مکان کو اتنی رقم حاصل ہو جائے کہ جتنی اس نے اس مکان پر خرچ کی ہے ، تو پھر اس کی ملکیت متعلقہ کرایہ دار کو منتقل کردے ۔ ہمارے علماء حضرات اگر سرمایہ داری نظام کے دفاع میں قرآن و سنت کی واضح تعلیمات کی تاویلات کرنے پر مجبور ہیں تو انہیں اپنے سے پہلی نسل کے علمائے دین کے طرز عمل کا مطالعہ کرکے اسے اپنانا چاہیے ۔ تو پھر ان میں سے کوئی بھی زمین یا مکان کے کرائے کے جواز پر اصرار نہیں کرے گا ۔

خلاصہ بحث

سابقہ ابواب میں مکانات کے کرائے کی شرعی حیثیت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس معاملے کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے حالانکہ حلال و حرام کے بارے میں اسلام کی تعلیمات بڑی واضح ہیں اسلئے یہ اختلاف نہیں ہونا چاہیے تھا جو اہل علم مکانات کے کرائے کے حرام ہونے کے قائل ہیں ان کا نقطہ نظریہ ہے کہ یہ سود کی تعریف میں آتا ہے اور پھر اس کی تائید میں وہ اس حدیث شریف کو پیش کرتے ہیں جس میں خود رسول اللہ صلعم نے مکہ مکرمہ کے مکانات کرایون کو سود قرار دیا تھا ۔ یہ حضرات عقلی اور نقلی دلائل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ مکانات کا کرایہ سود ہے ۔ اسلئے اگر کسی مسلمان کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ مکان ہو تو وہ کسی ضرورت مند مسلمان کو بلا کرایہ اس سے فائدہ اٹھانے دے ۔

جو حضرات مکانات کے کرائے کو جائز قرار دیتے ہیں ، وہ مکہ مکرمہ کے مکانات کے کرائے والی حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں ۔ اور اس مقصد کے لئے زمین کے کرائے یعنی بٹائی کے معاملے سے استدلال کرتے ہیں جو ان کے خیال کے مطابق شریعیت اسلامی میں جائز ہے ۔ مکہ مکرمہ کے مکانات کے کرائے کو سود قرار دینے والی حدیث کے راوی امام ابو حنیفہؒ ہیں ۔ جو حنفی فقہ کے بانی ہیں ۔ اور اس وقت ساری

Marfat.com

دنیا کے کروڑوں مسلمان ان کی فقہ کے پیرو کار ہیں اسلئے جو اہل حدیث علماء ان کی روایت کردہ حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ خود امام ابو حنیفہؒ احادیث روایت کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے ۔ اور انہوں نے کبھی کوئی ضعیف حدیث روایت نہیں کی ۔ بلکہ ائمہ حدیث کی بہت سی روایت کردہ احادیث کو انہوں نے ضعیف قرار دیا ۔ جس کی وجہ سے ان کے اور ائمہ حدیث کے درمیان اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی گئ ۔

مکانات کے کرایہ کو جائز سمجھنے والوں نے اس کے جواز کے لے زمین کے کرائے یعنی بٹائی کے معاملے سے اس کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ۔ لیکن ایسی صحیح احادیث دخیرہ احادیث میں موجود ہیں ۔ جن میں خود رسول اللہ صلعم نے بٹائی کے معاملے یعنی زمین کے کرائے کو اپنی زبان مبارک سے سود قرار دیا تھا ۔ لیکن حیرت کی بات ہے ۔ کہ مکانات کے کرایہ کا جواز تلاش کرنے والے ان احادیث سے چشم پوشی کر جاتے ہیں ۔ کیونکہ یہ ان کے مسلک کو غلط ثابت کرتی ہیں ۔ چنانچہ اس مقصد کے لے کتاب کے چھٹے باب میں تمام احادیث کو پیش کرکے ان میں تضاد کو رفع کیاگیا ہے اور یہ ثابت کیاگیا ہے ۔ کہ شریعت اسلامی میں زمین کا کرایہ بھی حرام ہے ۔ اس کی تائید میں علمائے عرب کے فتادی بھی اس کتاب میں شامل کئے گئے ہیں ۔

کرایہ زمین کی بحث چلی تو اس سے زمین کی شرعی حیثیت کے تعین کا سوال پیدا ہوا ۔ اسلامی قانون کے مطابق زمین کی دو قسمیں ہیں ایک عشری اور دوسری خراجی ۔ جہاں تک زمین کو کرائے یا بٹائی پر دینے کا تعلق ہے ۔ تو اس کا اطلاق صرف عشری اراضی پر ہوتا ہے ۔ خراجی اراضی اسلامی مملکت کی ملکیت ہوتی ہیں کوئی فرد ان کا مالک ہو نہیں سکتا ۔ اسلئے کرائے پر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ ہمارے ملک کی اراضی خراجی کے ذیل میں آتی ہیں ۔ اس بارے میں شرعی احکامات کی تفصیلات بھی پیش کی گئی ہیں اور دنیائے عرب کے ایک مقتدر عالم دین علامہ محمد المنتصر الکتانی کے ایک مقالے کا ترجمہ بھی کتاب میں شامل کیاگیا ہے ۔ جس میں انہوں نے ہمارے ملک کی اراضی کے بارے میں وہی فتوی دیا ہے ، جس کی تفصیلات ان اراضی کے شرعی احکامات کے ذیل میں بیان کی گئی ہیں اسلئے ایسی اراضی یا ان پر تعمیر کردہ مکانات کو کرائے پر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

Marfat.com

زمین کے کرائے کے جواز کے بارے میں حنفی فقہ کے ایک امام قاضی ابو یوسف کے ایک فتوے جس میں انہوں نے مضاربت کے اصول پر مزارعت یعنی زمین کے کرائے کے جائزے ہونے کا فتوی دیا تھا ، استدلال کیا جاتا ہے ۔ خیال رہے کہ اہل سنت کے چاروں فقہی مذاہب کے بانی ائمہ امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ اورامام احمدؒ کے نزدیک بٹائی کا معاملہ یا زمین کا کرایہ ناجائز اور حرام ہے ۔ قاضی ابویوسف صاحب نے اس کے جواز کا جو فتوی دیا تو انہوں نے اس حرام کو حلال قرار نہیں دیا تھا ۔ بلکہ اسے آخر دم تک حرام ہی سمجھتے رہے اسلئے انہوں نے ایسا معاملہ کرنے والے کی دعوت کو فاسق کی دعوت سے تشبیہ دیتے ہوئے قبول کرنے سے منع کر دیا تھا ۔ دوسرے الفاظ مین ان کا فتوی اضطراری حالات کے لئے تھا کہ جس حالت میں مجبور شخص کے لئے مردار کا کھانا جائز ہو جاتا ہے ۔ لیکن بعد کے فقہاء نے اور ہمارے زمانے کے علماء نے ان کا پورا فتوی دیکھنے کی بجائے ان کے اضطراری حالت والے فتوی کو عام جواز کا فتوی قرار دیکر زمین کے کرائے کو حلال تصور کر لیا ۔ اگروہ قاضی صاحب کا وہ فتوی دیکھ لیتے جو انہوں نے ایسے شخص کی دعوت کے بارے میں دیا تھا ۔ تو پھروہ ان کے فتوی کے عام اطلاق کی جرأت نہ کرتے ۔ ان تفصیلات سے یہ ثابت کیا گیا ہے ۔ کہ احادیث میں جو زمین کو کرائے کو سود قرار دیا گیا ہے تو انکی روشنی میں اسلامی فقہ کے تمام ائمہ نے اس معاملے کو حرام قرار دے دیا تھا ۔

اجارہ کے حوالے سے جو مکان کے کرائے کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو اس سے بھی استدلال صحیح نہیں ہے ۔ کیونکہ اجارہ سے مراد اجرت پر کام کرنا ہے یعنی حجام ، لوہار، بڑھی یا کوئی اور جو کام کرتا ہے تو وہ اپنی محنت کی اجرت لیتا ہے لیکن زمین کے کرائے میں محنت کی اجرت نہیں ، بلکہ زمین کی شکل میں سرمائے کی اجرت ہوتی ہے ، جو اصطلاح میں سود کہلاتی ہے ۔ ہاں اجارہ کے حوالے سے اس بارے میں استدلال کیا جا سکتا ہے کہ کسی کاشتکار کو اجرت ادا کر کے کاشتکاری کا کام کرایا جائے سود کے احکامات نازل ہونے سے پہلے اس قسم کے معاملات دور رسالت میں بھی ہوتے تھے لیکن بعد میں ان سے منع کر دیا گیا ۔

آجکل تو خالص سودی معاملات کے جواز کے فتوے جاری کئے جا رہے لیکن خود ہمارے علماء کی سابقہ نسل ان اسلامی تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرتی تھیں ۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ایک مسلمان کی اصل ملکیت اس حد تک ہے ۔ کہ جن چیزوں سے وہ خود

Marfat.com

فائدہ اٹھا سکے جو کچھ اس کی ضرورت سے زائد ہو، اس میں دوسرے ضرورتمندوں کا حق ہے ۔ اس بارے میں اسلام کے معاشی مقاصد بتائے گئے ہیں ۔ جن کے مطابق روٹی ۔ کپڑے اور مکان کی ضروریات پوری کرنا اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے ۔ اس کام میں نیک مسلمانوں کو بھی حکومت کی مدد کرنی ہوگی ۔ انہی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں رسول اللہ صلعم نے ان بنیادی ضرورتوں کی حد تک اپنے آپ کو اس سطح تک محدود رکھا کہ جو ایک عام آدمی کی ضروریات تھیں ۔ مساوات کے اس اصول پر عمل کرنے سے ہر آدمی کی مکان کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے ۔ اسلام میں آٹھ اٹھ دس دس کنال رقبہ کی کوٹھیوں کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ دوررسالت میں اگر کوئی صحابی اس طرح کا مکان تعمیر کر لیتا کہ جس سے اسے دوسروں پر فوقیت حاصل ہو جاتی تو رسول اللہ صلعم اس کا سماجی بائکاٹ کر دیتے ۔ اس سماجی بائیکاٹ کی تفصیلات بھی کتاب میں پیش کی گئی ہیں ۔ موجودہ زمانے کے تقاضے کچھ بدل گئے ہیں ۔ اب پہلے کی نسبت کرائے کے لئے زیادہ مکانات کی ضرورت ہے ۔ تو جہاں تک ایسے کرایہ داروں کا سوال ہے جو کسی شہر میں مستقل رہنے والے ہیں لیکن غربت کی وجہ سے مکان تعمیر نہیں کرسکتے ۔ تو حکومت کو مکان تعمیر کرنے میں ان کی ہر طرح سے مدد کرنی چاہیے ۔ دوسرے لوگوں کی ضروریات کے لئے حکومت ہر شہر میں مکانات و دوکانات کی تعمیر کیلئے ایک علیحدہ ادارہ قائم کر سکتی ہے ۔ اور یہ کام وہاں کی میونسپل کمیٹیوں کو بھی سونپا جا سکتا ہے یہ ادارے مختلف شہروں میں مکانات کی تعمیر کے ذمہ دار ہوں اور ضرورتمندوں کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کریں ۔

ہمارے ہاں جو یہ اسلوب اپنالیا گیا ہے ۔ کہ مکانات کے کرائے کے ذریعے تجوریوں کو بھرا جائے ۔ اور سرمائے کے زور پر زیادہ سرمایہ کمایا جائے تو عملاً اس میں اور سودی معاملات میں کوی فرق نہیں ۔ دونوں ضرورتمندوں اور محروموں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر دولت جمع کرنے کی ترغیب دیتے ہیں ۔ اسلئے اسلام میں سود بھی حرام ہے اور دولت جمع کرنا بھی ۔ اسلئے ۔ جو ہمارے بھائی سچے دل سے اسلام قبول کرتے ہیں ، انہیں ان برائیوں سے بچنا چاہیے ۔ دولت جمع کرنے کی بجائے اسے انسانیت کے بھلائی کے کاموں پر صرف کرنا چاہیے ۔

Marfat.com

پروفیسر رفیع اللہ شہاب

کرایہ مکانات کی شرعی حیثیت

Marfat.com